دسترس میں آسمان

ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ

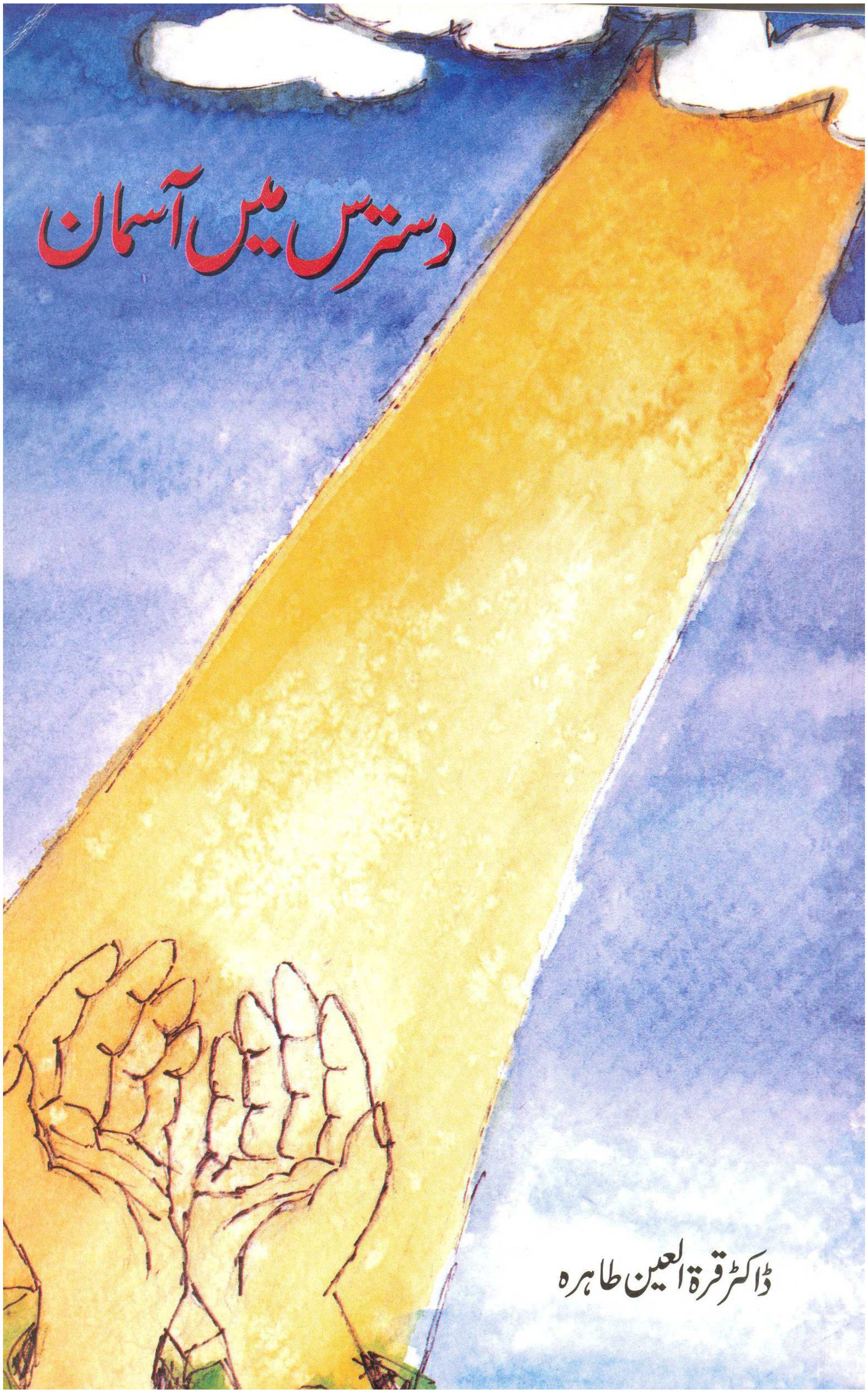

دسترس میں آسمان

(تاثراتِ حج)

بہترین اسلامی ادب ۲۰۰۲ء ایوارڈ یافتہ
(نیشنل بک فاؤنڈیشن)

ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ

(۲۰۰۲ء)
(۲۰۰۸ء)

جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ

پہلی اشاعت	۲۰۰۲ء
دوسری اشاعت	۲۰۰۸ء
کتاب کا نام	دسترس میں آسمان
مصنفہ	ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ
تعداد	۵۰۰
سرورق	سرمد محمود
پتا	۸۱۱، جی ۔۴/۱۰، اسلام آباد
فون	۰۵۱۔۲۱۰۰۸۲۲

ISBN: 969-37-0189-5

دانش، سرمد اور فارد کے نام

ترتیب

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی

پروفیسر فتح محمد ملک

ڈاکٹر انور سدید

پروفیسر ڈاکٹر ممتاز جعفری

پروفیسر غفور شاہ قاسم

دعا ......

آغاز سفر ......

مدینہ منورہ ......

مکہ مکرمہ ......

سعادت حج ......

واپسی ......

کتابیات ......

ہمارے عہد میں حج اور سرزمین حج کے بہت اچھے سفر نامے لکھے گئے ہیں اور مسلسل لکھے جا رہے ہیں ''دسترس میں آسمان'' ان سفر ناموں میں قابلِ توجہ سفر نامہ ہے، جو اسلوب اور مصنفہ کے وفورِ جذبات کے محاسن اپنے دامن میں رکھتا ہے۔

یہ سفر نامہ بہت طویل نہیں ہے۔آغاز سرزمینِ مقدس کی دید کی تمنا سے ہوتا ہے جو ہر مسلمان کے زندہ وجود میں موجود اور اس کے خمیر میں گندھی ہوتی ہے۔

''مجھے معلوم نہیں کہ اس کونپل نے کب سر اٹھایا، شاید میرے جنم لینے کے ساتھ ہی یا میرے سن شعور کی ابتدا میں ......''

اور ہم مصنفہ کو سرزمین حجاز میں پاتے ہیں۔تمنا اور اس کی تکمیل میں جیسے کوئی فاصلہ نہیں، اگر دستِ دعا پر گرنے والے آنسوؤں کی بوندیں سچی ہوں۔

اس مختصر رودادِ تاثرات میں قرۃ العین طاہرہ کی پوری شخصیت بر افگندہ نقاب نظر آتی ہے۔اس کی گہری مذہبیت، ارضِ مقدس کے ہر ذرے سے وابستگی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا رشتہ، معمولاتِ شب و روز، صلوۃ التسبیح کی

معنویت ...... اور میں نے اس سفر نامے کے اختصار کا ایک سے زائد بار تذکرہ کیا ہے۔ بات کچھ یوں ہے کہ ہم ارضِ مقدس کے ہر مسافر کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ان فضاؤں میں سانس لینا چاہتے ہیں۔

بلقیس نے اس روداد کی ایک خوبی کی طرف میری توجہ مبذول کرائی ہے کہ شاہد صاحب (قرۃ العین کے شوہر) کا ذکر اگرچہ کتاب میں بار بار نہیں آتا مگر وہ، ان کا خاموش خلوص اور رویہ ہر جگہ کتاب میں جلوہ گر ہے۔

مناسک حج کی کتابیں ضابطے کے نوشتے معلوم ہوتی ہیں، جن میں دل کی آواز اور جذبات کی دستک سنائی نہیں دیتی لیکن زیرِ نظر سفر نامے میں دعائیں، مناسک کے طریقے اور ترتیب ...... یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ اگر عمرے یا حج پر جانے والے خوش نصیب اس کتاب کو ساتھ رکھیں تو انھیں ایک رفیقِ سفر میسر آ جائے گا جو ان کے جذبہ عبودیت اور ذوقِ قیام و سجود کی کیفیتوں میں اضافہ کرے گا۔

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

مارچ ۲۰۰۴ء

ڈاکٹر طاہرہ کا سفرِ شوق

ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ کا سفرنامہ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ حج کا سفر زمین سے آسمان کی جانب سفر ہے، یہ سفر اور طرح کا ہے، اور اس کے احوال اور مقامات بھی اور طرح کے ہیں۔ ان احوال و مقامات کی سیر میں نے اس سے پیش تر بھی بہت کی۔ ایک سے ایک منفرد سفرنامہ مقاماتِ مقدسہ پر لے گیا اور پھر واپس لے آیا۔ محبت اور عقیدت کا یہ سفر ہر مسافر کے ہاں الگ آہنگ و ادا رکھتا ہے، اور جداگانہ سوغات فراہم کرتا ہے۔

ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ نے بہت بچپن ہی سے یہ سفرِ شوق اختیار کرنے کا عزم باندھ رکھا تھا۔ اس دوران میں وہ انتہائی شوق سے رختِ سفر اکٹھا کرنے کا اہتمام کرتی رہی تھیں۔ حج کے سفرنامے اور حج کی خاطر لکھی گئی کتابیں اور نامور شخصیات کے سفرنامے بہت شوق سے پڑھ رکھے تھے، مگر جب اذن باریابی ملا تو......

''ڈرتے ڈرتے نگاہ اوپر کی، کائنات کے عین مرکز میں تعمیر یہ عمارت، جسے اللہ نے 'بیتی' یعنی میرا گھر کہا ہے۔ میں نے دیکھا ایک عام سی عمارت ہے، جس پر سیاہ غلاف چڑھا ہے۔ ملکوتی پھبن نہ دل کشی و رعنائی کا کوئی نادر مرقع۔ حیرت، محبت، عقیدت، خوف کسی

جذ بہ و احساس کا دور دور پتا نہیں، شان کبریائی، جلال و جمال کا کوئی رعب و دبد بہ دل پر نہیں۔ آنکھوں میں نمی آئی اور نہ ہی گناہوں کی طویل فہرست یاد آئی۔ کچھ بھی تو نہ ہوا، دعائیں جوصدیوں سے مانگتی آ رہی تھی ،بغیر کسی دل گرفتگی اور تاثر کے مانگتی رہی ،ممتاز مفتی البتہ یاد آئے۔

کافی دیر خانہ کعبہ کو دیکھتی رہی۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کتنے طویل انتظار اور کتنی آرزوؤں کے بعد میں یہاں پہنچی تھی۔ رب کائنات میرے احساسات کیوں پتھر ہو گئے ہیں۔ بدن پر لرزہ طاری ہوا نہ شدید محبت کا احساس جاگا نہ اپنے سگِ دنیا ہونے کا خیال آیا۔ اپنا تجزیہ کیا ،معلوم ہوا ،صنم آشنا دل جتنی چاہے نمازیں پڑھ لے، اسے کچھ حاصل نہ ہوگا، خانہ کعبہ پر نگاہ پڑتے ہی جو دعا مانگنی تھی، وہ بھی نہ یاد آئی، کتاب کھول کر دعا پڑھی ......اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ......احساسِ ندامت لیے شاہد کی جانب آئی، ان پر ان تمام کیفیات کا اثر واضح تھا۔''

ڈاکٹر طاہرہ نے اوپر دیے گئے اقتباس میں جس واردات کوندامت سے تعبیر کیا ہے، وہ دراصل حیرت کا مقام ہے، ۔اس سفرنامے کی سب سے بڑی قوت اس حقیقت سے آشکار ہوتی ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ نے اپنی واردات اور مشاہدات کو بالکل دوٹوک اور کھرے انداز میں بیان کر دیا ہے، حج کے تجربے سے گزرتے وقت جس جس مرحلے اور جس جس مقام پر ان کے جذبات اور احساسات کی جو کیفیت بھی تھی اسے بلا جھجک بیان کر دیا۔ اوپر دیے گئے اقتباس سے یہ بات عیاں ہے کہ خدا کے گھر کو سامنے پا کر ان کے دل میں اول اول مایوسی کا سا جو احساس پیدا ہوا، اسے انھوں نے ہرگز نہیں چھپایا۔ ساری عمر انھوں نے

جس عمارت کو اللہ کا گھر سمجھتے ہوئے جو رومانی خواب دیکھے تھے ۔ انھیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار پایا اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گئیں کہ یہ ''ایک عام سی عمارت ہے جس پر سیاہ غلاف چڑھا ہے ۔ ملکوتی چھب نہ دلکشی و رعنائی کا کوئی نادر مرقع ۔''

اپنی غریب اور بے کس مخلوق سے ٹوٹ کر پیار کرنے والے اللہ کا گھر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا ...... مگر اس مقام عرفان تک پہنچنے میں بعض اوقات صدیاں لگ جاتی ہیں ۔ علامہ اقبال نے اسی مقام پر پہنچ کر اللہ میاں کا فرمان ہم تک یوں پہنچایا تھا

میں نا خوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے

میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

بادشاہوں کے محلات اور اقتدار کے ایوانوں کی شان وشوکت دیکھتے دیکھتے ہم عموماً غیر محسوس طور پر اللہ کے گھر کا تصور بھی کسی بے مثال اور لافانی ایوان شاہی ہی کے انداز میں کرنے لگتے ہیں ۔ خارجی مشاہدہ جب باطنی تجربے میں تحلیل ہوجاتا ہے، تب کہیں جا کر ہماری آنکھوں کا طلسم ٹوٹتا ہے اور ہمارے طواف میں ایک والہانہ پن آجاتا ہے ۔ چنانچہ ڈاکٹر طاہرہ بھی بالآخر طواف کی اس سرمدی کیفیت کو پالیتی ہیں ۔

''ہم آٹھ نو طواف کر کے خوش اور مطمئن تھے ۔ کعبہ سے اجنبیت اور بیگانگی کا وہ احساس، میں نے محسوس کیا کہ آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا ہے ۔ اب دامن دل کعبہ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے ۔ اس کے قریب جانے اس کو چھونے کی خواہش زور پکڑتی جا رہی ہے ۔ آنکھوں سے اشکوں کا سلسلہ جو شروع ہوتا ہے، تو تھمنا مشکل ہوجاتا ہے ۔ مجھے یاد آیا، دانش کی آمد پر بھی تو میری یہی کیفیت تھی ۔ پہلے دوسرے تیسرے روز کوئی احساس محبت نہ جاگا،

کچھ خیال نہ آیا کہ کتنی آرزوؤں اور کس قدر اذیت سہنے کے بعد مجھے یہ تحفہ، یہ مقام ملا ہے۔ لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے صرف احساس محبت جاگا ہی نہیں، شدت اختیار کرتا گیا۔

آج کعبہ کے سلسلے میں بھی میرا یہی رویہ سامنے آیا تو مجھ پر کھلا کہ میں پہلی نظر میں محبت کی قائل نہیں۔ شکر ہے کہ یہ محبت پائدار ہے، بلکہ روز بروز اس میں اتنی شدت آتی جارہی ہے کہ بعض دفعہ میں خوف زدہ ہو جاتی ہوں۔ یہاں آتے ہوئے قطعی احساس نہ تھا کہ کعبہ کی طلب اتنی شدید ہو جائے گی۔ جیسے جیسے دن گزر رہے ہیں تڑپ میں اضافہ ہو رہا ہے۔''

ڈاکٹر طاہرہ ظاہر کی آنکھ سے تماشا کرتے کرتے اچانک دل کی آنکھ سے دیکھنے لگتی ہیں۔ خارج سے باطن اور پھر باطن سے خارج تک یہ آمد ورفت اس سفرنامے کو ایک خیال انگیز دستاویز بنادیتی ہے۔ اپنے آس پاس سرگرداں مخلوق کے میکانکی طور اطوار اور چال چلن پر انھیں تعجب ہوتا ہے اور وہ سوچنے لگتی ہیں کہ جس وقت وہ بندگی اور عبودیت کے گہرے احساس میں سرشار ہو کر خدا سے براہ راست رابطہ قائم کرنے میں کوشاں ہیں اور رسول اکرم ﷺ کو اپنی رگِ جاں سے قریب محسوس کررہی ہیں عین اسی وقت ان کے پاس بیٹھی ہوئی خواتین شاپنگ کے احوال ومقامات بیان کرنے میں منہمک ہیں۔

''میں نے دوپٹوں کے دو تھان لیے، چودہ ریال فی دوپٹہ پڑا۔ پاکستان میں ویلوٹ کا سوٹ دو ہزار کا ہے یہاں یہی سوٹ سات ہزار کا ہے ...... میرا میاں پانچ سال سے یہاں ہے ...... میرا بھائی ...... میرا بیٹا ...... میں نے اپنی ساس کے لیے ...... نند کے لیے ...... خریداری کی تفصیل، قیمتوں کی باتیں، ساری زندگی سنتے آئے تھے کہ عورتیں بہت بولتی

ہیں ۔ظہر کے وقت یہ عورتیں بولنا شروع ہوئی تھیں ،مغرب کے بعد تک اسی ایک موضوع پر بولتی رہیں ۔ میرا کئی مرتبہ جی چاہا، ان سے درخواست کروں کہ یہ کون سا مقام ہے،کون سا مبارک دن ہے ۔پھر یہ مبارک مقام زندگی میں آئے یا نہ آئے ۔درنبی پر آئے ہو کچھ درود و سلام بھیجو ۔ اللہ کے سامنے اپنے کردہ نا کردہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کرو ۔جرات کی کمی کہہ لیں یا یہ کہ میں وہاں ایک لمحے کا ہزاراواں حصہ بھی ضائع کرنے کے حق میں نہ تھی ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بحث وتکرار طول کھینچ جائے ، دو کی بجائے دس جملے بولنے پڑ جائیں ۔ میں اتنی دیر میں ایک اور تسبیح نہ پڑھ لوں ۔

پچھلے روز بھی نماز مغرب کے بعد ایسی ہی کوفت ہوئی جب دو پاکستانی خواتین سرائیکی لب ولہجہ میں آپس میں گفتگو کررہی تھیں ۔ایک صحن مسجد کے دروازے کے قریب اور دوسری اس سے پانچ چھ صفیں آگے، ان دونوں کے درمیان کاروباری معاملات پر بڑی شدو مد سے تکرار بلکہ لڑائی ہورہی ہے ۔ وہ دونوں تو نماز مغرب کے فرض ادا کرنے کے بعد اپنے گلے شکوے اورالزامات کا تبادلہ نہایت کھلے الفاظ میں کررہی ہیں ،انھیں ذراخیال نہیں تھا کہ باقی لوگ عبادت میں مصروف ہیں ۔ ان کی کرخت آوازیں اورنا شائستہ الفاظ تمام نمازیوں کے لیے کس قدر کوفت کا باعث ہیں ۔''

کاروبار حج میں مشغول مسلمانوں کی جانب سے حج کی عبادت میں منہمک مسلمانوں کے جذب ومستی میں خلل انداز ہونے کی یہ غیر شعوری کوششیں ہماری سفرنامہ نگار کو حیران اور پریشان تو ضرور کرتی ہیں مگر ان کے ذوق حضوری میں کمی نہیں آنے دیتیں بلکہ اسے اورزیادہ انہماک وانجذاب پر مائل کردیتی ہیں ۔پوراسفرنامہ از اول تا آخر خارج سے

باطن اور باطن سے خارج، آمد و رفت کے دلکش اور دلگداز مناظر سے مالا مال ہے ۔ ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ نے اپنے سفرِ شوق کی واردات کو صداقت پسندانہ انداز میں بیان کر کے مجھ جیسے عام قاری اور گنہگار مسلمان کو یہ سبق دیا ہے کہ حج پہ جانا ہے تو پہلے دلِ گداختہ پیدا کریں، کاروبارِ دنیا سے آگے بہت آگے گزر کر دل میں انہماک پیدا کریں اور حالی کے اس شعر کا مطلب خوب سمجھ کر سرزمینِ حجاز کو رختِ سفر باندھیں ؎

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

میں ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ کے اس سفرنامے کو بھی حج ہی کی عبادت کا ایک جزوِ لاینفک مانتا ہوں اور انھیں فریضہء حج کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس سفرنامہ کی اشاعت پر بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔

پروفیسر فتح محمد ملک
مقتدرہ قومی زبان
اسلام آباد
۱۴ دسمبر ۲۰۰۱ء

ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ کو یہ اعزاز مل چکا ہے کہ وہ ممتاز شیریں مرحومہ کے بعد اردو ادب میں ایک خاتون نقاد کی حیثیت میں سامنے آئیں اور ڈاکٹر شاہین مفتی اور ڈاکٹر عظمیٰ فرمان کی طرح ایک وقیع موضوع ''حفیظ ہوشیار پوری کی شخصیت اور فن'' پر مقالہ لکھ کر نہ صرف پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی بلکہ تنقید میں بھی اپنا نام پیدا کیا، ان کی ادبی بازیافتوں کا ایک خاص شعبہ ''انٹرویو نگاری'' ہے......قرۃ العین طاہرہ کی تنقیدی صلاحیتوں کا یہ اجمال برسبیل تذکرہ سمجھیے، آج مجھے ان کی جس کتاب کا یہاں تعارف مقصود ہے، وہ ان کے سفرِ عقیدت کا صحیفہ ہے جسے فتح محمد ملک نے ''سفرِ شوق'' کا عنوان دیا ہے۔سرزمین حجاز کے سفر ناموں میں بالعموم سفر نامہ نگار اپنی روح کی یاترا کرتا ہے اور مکتہ المکرّمہ اور مدینتہ المنورہ کو ظاہر کی آنکھ سے دیکھتا اور ان مقاماتِ مقدسہ کے فیوض و برکات کو دل میں اتارتا چلا جاتا ہے۔ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ نے اس سفرِ عقیدت میں اپنی ظاہر کی آنکھیں بھی کھلی رکھیں لیکن دل کی آنکھوں سے وہ انوار سمیٹنے کی زیادہ سعی کی جو صرف ان کی تخلیقی نظر ہی دیکھ سکتی تھی۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کر رہی ہیں لیکن در حقیقت وہ زمین سے آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہیں اور اس عمودی سفر میں ان پر اسلام کا ماضی، نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مقدسہ اور آثارِ مکہ و مدینہ اپنے ایسے اسرار کھولتے چلے جاتے ہیں جن سے آج کا انسان غافل ہوتا جا رہا ہے۔

میں نے سرزمین حجاز کے متعدد سفرنامے پڑھے ہیں۔ ممتاز مفتی، غلام الثقلین نقوی، عبداللہ ملک، شورش کاشمیری، ڈاکٹر نصیر احمد اور محمد اقبال انجم نے مختلف نوعیتوں کی کیفیات پیدا کیں اور تشکیک سے اثبات کی طرف سفر بھی کیا۔ ڈاکٹر قرۃ العین کے سفرنامے میں مجھے دنیا داری کے ہجوم میں ایک ڈری سہمی خاتون نظر آتی ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سفرنامے کے اختتام پر ان کے خوف پر طمانیت غالب نظر آتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ خود بھی سفر نگار ہیں، انھوں نے چند سطور میں اس سفرنامے کی جو تحسین کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس سفرنامے کی روحانی سطح پا لی ہے۔

انور سدید

۱۴ دسمبر ۲۰۰۳ء

علامہ اقبال نے بالکل درست کہا ہے اور ہم سب کا اس پر ایمان ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

پروفیسر ڈاکٹر ممتاز جعفری
فروری ۲۰۰۳ء

دسترس میں آسمان'' کا مطالعہ ابھی مکمل کیا ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔
پڑھتے ہوئے (بلا مبالغہ) یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم اس مقدس اور پاکیزہ سرزمین میں گھوم رہے ہوں، حج کا سفر یقیناً سیال اور ناقابل گرفت کیفیات کا سفر ہے، ان کیفیات کو من وعن لفظیات کے دامن میں سمیٹنا اگر چہ آسان کام نہیں لیکن یقین فرمائیے آپ نے اس سرشار سفر کی مختلف خوبصورت کیفیات کو احاطہء تحریر میں نہایت عمدگی اور کامیابی سے سمیٹا ہے، بارہا گمشدگی اور بار دگر بازیابی کا یہ سفر، حاضری اور حضوری کا یہ سفر، عقیدت اور ارادت کا یہ سفر انسانی زندگی کا نہایت دل آویز اور وقیع تجربہ ہے۔ آپ کی سطح کی تعلیم یافتہ، باشعور قلم کار اور تخلیق کار خاتون کے لیے اس سفر کی یادداشتوں پر مشتمل کتاب کی اشاعت قارئین ادب کے لیے ایک نایاب تحفے سے کم نہیں، حج کے سفرناموں میں ہر منصف مزاج نقاد اس سفرنامے کو نمایاں اور سرِ فہرست مقام دینے پر مجبور رہے، مجھے اس سفرنامے کے حوالے سے یہ بات بھی کہنا کہ اس کی ہر سطر میں آپ کے تحقیقی مزاج کی جھلک نمایاں ہے۔ اس روحانی سفر پر روانہ ہونے والے ہر مسافر کو ''دسترس میں آسمان'' کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

آپ کے تمام تحریری کام میں اس سفرنامے کو ہمیشہ امتیازی حیثیت حاصل رہے گی۔

غفور شاہ قاسم

دعا

اے رب کریم جو کچھ میں نے لکھا ہے، تیری ہی بخشی ہوئی استطاعت ہے ۔ تیرے ہی عطا کردہ فہم اور علم کے باعث ہے ۔ جح کی سعادت کو صفحہء قرطاس پر لانا، نیکی اور بھلائی کے لیے ہے، تیرے ہی ذکر کو بلند کرنے کے لیے ہے ۔ اے رب کریم اس کاوش کو قبول فرما۔

اے رب کریم اس کاوش میں جو کوتاہیاں، غلطیاں اور زعمِ بندگی میں گستاخیاں سر زد ہوئی ہیں، وہ ناخواستہ اور نادانستہ ہیں، میرے علم، عقل وفہم سے ماورا ہیں، اے اللہ انھیں معاف فرما، ان سے درگزر فرما ۔

میرے لیے، شاہد کے لیے، میرے خاندان کے لیے، جملہ احباب کے لیے، جو اس کاوش میں میرے معاون ومددگار رہے، ان سب کو اپنے رحم وکرم سے نواز، خاص طور پر جناب مولانا علامہ حافظ قاری نور حسین، خطیب جامع مسجد بہار مدینہ اسلام آباد، جنھوں نے اس کا دینی نکتہ نگاہ سے مطالعہ کیا اور گستاخیوں کی نشاندہی کی ۔ جناب فتح محمد ملک' جناب ڈاکٹر محمود الرحمن، جناب مستنصر حسین تارڑ' محترمہ عدیلہ طاہر اور محترمہ ثروت حمید بٹ کی

محبتوں کی میں ہمیشہ مقروض رہوں گی۔ اے رب کریم تو ہی اجر عنایت کرنے والا ہے۔

اے اللہ وہ احباب جو مطالعہ کے بعد مجھے میری کوتاہیوں اور گستاخیوں سے آگاہ فرما کر اپنے رب کریم سے معافی کا موقع فراہم کریں گے، ان سب کے لیے اور تمام مومنین کے لیے اسے باعث اجر وثواب فرما......

اے رب کریم شکر ادا کرنے والا دل، غور وفکر کرنے والا ذہن اور ذکر کرنے والی زبان عطا فرما......آمین۔

قرۃ العین طاہرہ

۱۴اگست، ۲۰۰۲ء

آغازِ سفر

مجھے معلوم نہیں کہ اس کونپل نے کب سر اٹھایا۔شاید میرے جنم لینے کے ساتھ ہی یا میرے سن شعور کی ابتدا میں یا شاید اس وقت جب مجھے میری خواہش کے خلاف طالبات کے ایک بڑے ادارے میں صرف چند روز کے لیے بلایا گیا۔ یہ الگ بات کہ یہ چند روز بعد از اں مہینوں، سالوں میں بدلتے گئے، ایک ماہ بعد میرے ہاتھ ایک معقول رقم آئی، شاید وہ کونپل اس روز پھوٹی تھی۔

وقت کا تعین میں کبھی نہ کر پائی، نہ ہی مجھے یہ علم ہوا کب یہ ننھی منی کونپل میرے سارے وجود کو امر بیل کی طرح اپنے حصار میں لیتی چلی گئی۔ایک سال بعد میں نے حساب لگایا، میرے پاس اتنی رقم جمع ہوچکی ہے کہ میں اس امر بیل کے شور مچاتے مطالبے کو پورا کر سکوں۔ میں نے شاہد سے ذکر کیا، وہ ٹال گئے۔کچھ عرصہ میں بھی خاموش رہی لیکن کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا کہ امر بیل مجھے اتنی شدت سے بھینچ رہی ہے کہ ایسے لگتا کہ کہیں میرا دم ہی نہ نکل جائے۔ میں دبے لفظوں میں بات دہرا دیتی، ایک روز تنگ آ کر شاہد نے کہا ’’میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔‘‘

میں خاموش ہوگئی، واقعی ان کی تنخواہ تو ساری کی ساری منہ کھولے ضرورتیں ہڑپ کر جاتی ہیں بچت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

امر بیل نے بھی سمجھوتہ کرلیا، وہ بھی خاموشی کی چادر اوڑھ کر سوگئی، لیکن جب کبھی کروٹ بدلتی، میرے جسم و جاں کو ہلا کر رکھ دیتی۔ نہ جانے کتنے ماہ و سال گزر گئے۔ سورج کی کسی کرن نے بھی نوید نہ دی اور پھر ایسا ہوا کہ موسم کی پہلی بارش نے امر بیل کی پیلاہٹ کو سبزے میں تبدیل کیا، اطلاعات ملنا شروع ہوئیں۔ فلاں تاریخ سے درخواستیں وصول کی جائیں گی۔

شاہد نے بتایا، اشتیاق صاحب کا اصرار ہے میرے ساتھ حج پر چلو، روز مجھے سناتے رہے، میں دم سادھے ان کا منہ تکتی رہتی۔ اس خبر میں میرا کہیں ذکر نہ ہوتا، پھر ایک روز انھوں نے کہا کہ میں نے اشتیاق صاحب سے کہہ دیا ہے کہ میں اس سال نہیں جا سکتا، آپ بھی رک جائیں، اگلے سال اکٹھے چلیں گے، لیکن اشتیاق صاحب کا بلاوا تھا، وہ رخصت ہوئے، آ بھی گئے، مبارک بادیں وصول کیں۔ قصے، تجربے اور مشاہدے سنا سنا کر امر بیل کو تازہ پانی دیتے رہے۔ دن رات اپنے لباس تبدیل کرتے رہے۔

جولائی کی ایک تپتی دوپہر، شاہد نے بتایا، یکم اگست سے درخواستیں وصول کی جا رہی ہیں۔ بہار و خزاں سے بے نیاز امر بیل نے سرگوشی کی، پھول کھلنے کا موسم آ گیا، درخواست فارم آ گئے، تصویریں کھنچیں۔ دن کبھی پر لگا کر اڑتے کبھی پہاڑ بن کر منجمد ہو جاتے۔

حکومت کی پالیسی کے مطابق ریگولر سکیم کے تحت جانے والے حاجی تعداد ۴۵

ہزار، سپانسر شپ سکیم کے تحت جانے والے حاجی تعداد ۶۵ ہزار۔ سپانسر شپ کے تحت زر مبادلہ ڈالروں کی صورت میں ہوتا ہے۔ درخواستیں جمع کرادی گئیں۔ معلوم ہوا ریگولر سکیم کے تحت جانے والے عازمین حج کی تعداد مطلوبہ تعداد سے بارہ تیرہ ہزار بڑھ گئی ہے اور سپانسر شپ سکیم کے تحت جمع ہونے والی درخواستوں میں اتنی ہی کمی ہے کہ اب تمام حاجیوں کو اس میں کھپایا جا سکتا ہے، صرف یہ کہ جن حاجیوں کے نام قرعہ اندازی میں نہیں نکلے وہ اپنی رقم بنکوں سے لے کر ڈالروں میں بدل کر سات ساڑھے سات ہزار مزید خرچ کر کے حج پر جا سکیں گے۔

قرعہ اندازی کا دن آیا۔ کچھ معلوم نہیں، خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے کیا فیصلہ ہوا، دوسرے روز اتوار تھا، کچھ پتا نہ چلا۔ دل میں خوف تھا جسے **لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین** کے ورد سے دور کرتی رہی۔

پیر کی صبح بنک منیجر، جناب طارق محمود خان نے اطلاع دی ''خدا پر توکل اچھی بات ہے لیکن آپ نے تو پتا بھی نہ کیا کہ کیا نتیجہ رہا، بہر حال مبارک ہو کہ آپ کا نام قرعہ میں نکل آیا ہے۔''

بہن بھائیوں کو اطلاع دی۔ برابر سے مدثر کی امی مبارک دینے آئیں ''مدثر کہہ رہا تھا کہ انکل اور آنٹی کا نام قرعہ میں نکل آیا ہے، وہ حج پر جا رہے ہیں، مبارک ہو وہاں کا بلاوا اور وہ بھی اس طرح کہ حکومت سارا خرچ برداشت کرے گی۔ بڑی اچھی قسمت ہے۔''

میں حیران ہوئی ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔''

پتا چلا کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ قرعہ میں نام آنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام بار حکومت

اٹھائے گی۔

شاہد کی عادت ہے کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے ہوم ورک بہت کرتے ہیں۔ حج پر کتابیں بہت دنوں سے پڑھ رہے تھے۔ اب اس میں شدت آ گئی، حج سے متعلق جتنی کتابیں ہاتھ آئیں، وہ پڑھیں۔ ایک سے ایک معلوماتی اور سحر انگیز، شروع کرلیں تو مکمل کیے بغیر رکھ نہ سکیں۔

اس دوران جو کتابیں پڑھیں ان میں جناب محمد معراج السلام کی مسجد نبوی اور کعبۃ اللہ اور اس کا حج دونوں کتابیں بہترین تھیں۔ کعبۃ اللہ اور اس کا حج میں چند ایک معلومات ایسی تھیں جو ہم میں سے بہتوں کے علم میں نہ ہوں گی۔ ایک تو یہ کہ کعبۃ اللہ کی بنیاد کیسے رکھی گئی، آپ بھی سنیے، شاید اتنی تفصیل سے آپ بھی نہ جانتے ہوں۔

° ''ابھی زمین کی بنیاد نہیں رکھی گئی تھی لیکن قدرت کو منظور تھا کہ زمین بنائی جائے اور اس پر انوکھی مخلوق آباد کی جائے، جسے انسان کہتے ہیں، اس کا مورث اعلیٰ خلیفہ آدمؑ ہو جس کا پیکر خاکی بنا کر اس میں نورانی روح پھونکی جائے اور ابو البشر کی حیثیت سے زمین پر بھیجا جائے، جہاں اس کی نسل بڑھے، پھلے پھولے اور زمین کو آباد کرے، چنانچہ حضرت آدمؑ اور زمین کی تخلیق سے تقریباً دو ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ، ٹھاٹھیں مارتے پانیوں سے زمین کو اور خاص طور پر سب سے پہلے اس کے مقدس مقامات کو پیدا کرنے کا انتظام فرمایا...... اس وقت ہر طرف پانی ہی پانی تھا...... اللہ تعالیٰ نے ان بہتے پانیوں پر ایک تند و تیز ہوا بھیجی، جس نے پرسکون پانی کو موجزن کر دیا، ہر طرف زبردست شور برپا ہوگیا، سمندر میں ہوشربا طوفان اٹھنے لگے، چٹانوں کو بھی اپنے منہ زور تھپیڑوں سے پاش

پاش کر دینے والی فلک بوس لہریں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ اس عمل نے ٹھوس شکل اختیار کر لی اور پھر آہستہ آہستہ وہ چیز بن گئی، جس کو زمین کہتے ہیں۔ زمین کا یہ ٹکڑا جو سب سے پہلے سطح سمندر پر نمودار ہوا، کعبہ معظّمہ تھا، جس کے بعد باقی زمین اس کے نیچے سے بچھائی گئی اور پھر اسے ایک عظیم الشان کرہ کی شکل دے دی گئی، جو اکاون کروڑ چھیاسٹھ ہزار ایک سو کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے...... جب زمین بن گئی تو اس کے کافی عرصے کے بعد جناب آدم کی تخلیق عمل میں آئی ......'' (کعبتہ اللہ اور اس کا حج، محمد معراج السلام، صفحہ ۴۲،۴۳،۴۴)

اس کتاب کے علاوہ جاوید جمال ڈسکوی کی 'میرے حضور کے دیس میں' بار بار پڑھی، بلکہ تمام ضروری نکات لکھ لیے گئے۔ اس کتاب کے مطالعے سے ہم ان زیارتوں سے بھی آگاہ ہوئے، جن سے مقامی لوگ بھی ناواقف تھے، گذشتہ سالوں میں وزارتِ حج کی جانب سے شائع ہونے والی کتابیں بھی پڑھتے رہے، پھر شاہد کے دفتر اور میرے کالج کی لائبریری میں جو کتب دستیاب تھیں، سبھی دیکھ لیں۔

جنوری میں حجاج کرام کے لیے تربیتی پروگراموں کا آغاز ہوا، پہلے پروگرام میں شرکت کی، وفاقی وزیر برائے مذہبی امور نے نوید دی کہ وزارت حج کی جانب سے چند ایک روز میں کتابیں آپ کے گھر کے پتے پر روانہ کر دی جائیں گی۔ ایک بزرگ خاتون دوسری بزرگ خاتون سے پوچھ رہی تھیں ''حج کی کتابیں کون سی دکان سے ملتی ہیں؟''

دوسری خاتون انھیں سمجھا رہی تھیں ''راجا بازار میں ایک دکان ہے وہاں سے منگوا لیں۔''

میں یہ سوچ رہی تھی کہ ہم تقریباً سال بھر سے حج کے موضوع پر کتابیں پڑھ رہے ہیں، کیونکہ وہ ہماری دسترس میں ہیں، لیکن ہمارے بیشتر حاجی تو دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں۔ کیا یہ مناسب نہ تھا، جب آٹھ ماہ پیشتر رقم وصول کر لی جاتی ہے، تو انھیں بنیادی معلومات سے متعلق کتابچے بھی وقت پر ارسال کر دیے جائیں تاکہ وہ بار بار انھیں پڑھ سکیں۔

تقریب میں ہر مقرر نے اس بات پر زور دیا کہ وہاں آپ کو پاکستان کی شناخت اپنے اچھے رویے، نظم وضبط اور صبر وتحمل کے مظاہرے کے ذریعے کروانا ہوگی۔ نشست کے اختتام پر منتظمین نے مختصر سے کتابچے تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔ ابھی وہ کتابوں کا بنڈل کھول ہی رہے تھے کہ سامعین جو چند لمحے پیشتر سر ہلا ہلا کر ہدایات یاد رکھنے کا وعدہ کر رہے تھے، ایک دم سٹیج پر چڑھ گئے اور وہ چھینا جھپٹی ہوئی کہ کتابیں تقسیم کرنے والے کارکنوں نے اس خوف سے کہ کہیں سٹیج ہی ٹوٹ نہ جائے، تمام کتابیں نیچے اچھال دیں اور ہم مستقبل کے حاجی صاحبان انھیں لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔

بہر حال دو دن گزرے، چار دن گزرے، مہینہ گزر گیا، وزارت مذہبی امور کی جانب سے کتابچوں نے آنا تھا نہ آئے، نہ ہی روانگی کے متعلق کوئی فرمان جاری ہوا۔ روانگی سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے پاکستان کمپیوٹر بیورو کے جناب عبدالقیوم خان نے شاہد کو از راہِ دوستی فون پر بتادیا کہ آپ کی روانگی ۲۴ فروری رات دس بجے سعودیہ ائرلائنز سے ہے۔

سنا تھا کہ ٹیکے روانگی سے دس دن پہلے لگائے جاتے ہیں لیکن ہمیں ہیلتھ کارڈ تک موصول نہ ہوئے تھے۔ حج کمپلیکس گئے تو انھوں نے تین روز قبل کی تاریخ میں ٹیکے لگائے۔

روانگی سے دو دن پہلے زرمبادلہ، ٹکٹ اور دیگر کاغذات کے حصول کے لیے حج کمپلیکس گئے، کتابچے کے متعلق پوچھا، بہت مشکل سے ایک صاحب تیار ہوئے، وہ ہمیں ایک بڑی بلڈنگ کے سامنے لے گئے، اس کی قد آدم کھڑکیوں کے شیشوں سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں کتابچے بکھرے نظر آ رہے تھے، اس نے بہ ہزار دقت ہمیں دو کتابیں عنایت کیں۔عرض کیا، کیا یہ کتابیں وقت پر نہ مل سکتی تھیں۔جواب ملا ابھی بہت وقت ہے مکہ، مدینہ جا کر پڑھ لیں، ۲۰۰۱ میں شائع ہونے والی کتابیں، جو قرعہ اندازی کے نتائج کے ساتھ ہی عازمین حج کو پہنچ جانا چاہیے تھیں، بڑے اطمینان سے ضائع کر دی گئیں......

۳ فروری کا دن آیا، نمازیں، دعائیں، مہمانوں کی آمد و رفت، مبارک بادیں، سبھی کچھ گڈمڈ ہوتا رہا، گھر سے نکلتے ہوئے دو نفل پڑھے، پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص، بعد نماز سورۃ القریش، اور دروازے کے قریب پہنچیں تو سورۃ القدر پڑھنی ہے، نکلتے ہوئے صدقہ دینا ہے، رخصت ہونے سے پہلے یہ دعا مانگنی ہے،

''یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اس سے پہلے کہ میں خود گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں یا ظلم کروں یا مظلوم ہوں یا بے وقوفی کروں یا بے وقوف بنایا جاؤں۔میں اللہ کا نام لے کر نکلتا ہوں، اللہ ہی پر بھروسا رکھتا ہوں، نیکی کرنے کی طاقت اور بدی سے بچنے کی ہمت صرف اللہ بزرگ و برتر کی توفیق سے ہی ہے، یا اللہ تو مجھے اس چیز کی توفیق عطا فرما، جسے تو اچھا سمجھتا ہے اور جس سے تو راضی ہوتا ہے اور مجھے راندے ہوئے شیطان سے بچانا۔''

اتنے مہمانوں میں پتا نہیں کیا یاد رہا اور کیا نہیں، بہر حال بچے اور گھر اللہ کے حوالے کیا۔ پیاروں نے دہکتے سرخ گلابوں سے لاد دیا۔وہ جسم جو ایک عرصہ تک امربیل

کی پرورش کرتا رہا تھا اسے ان سرخ مہکتے گلابوں کی توقع ہی نہ تھی، اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہوا، کہاں میں اور کہاں یہ مقام اللہ اللہ۔

حج کمپلیکس پہنچے، بسیں تیار تھیں، ائر پورٹ پہنچے، مغرب کی نماز ادا کی، لبیک کی روح پرور صداؤں میں مناسک حج کی ادائیگی کے لیکچر سنے، سعودی ائر لائنز کی پرواز کا وقت دس بجے تھا، نو بجے طیارہ ائر پورٹ پر تھا۔

اعلان ہوا کہ نماز عشا کے بعد احرام و عمرہ کی نیت کے نوافل ادا کر لیے جائیں۔ سعودی ائر لائنز کے کپتان آفتاب موجود تھے، انھوں نے سامان جمع کرانے سے لے کر جہاز میں بٹھانے تک کے تمام مراحل میں مدد کی۔ دس بجے جہاز روانہ ہوا۔

عملہ جانتا تھا یہاں سب حاجی ہیں، پھر انھوں نے خوشبو میں بسے ٹشو کیوں دیے، بیشتر نے تو اپنے بیگ میں ڈالے، کچھ نے کھول کر استعمال کرنے چاہے، ٹشو پیپر کا کھلنا تھا کہ تمام فضا خوشبو سے مہک اٹھی۔ حالت احرام میں خوشبو کا استعمال حرام ہے، اس کے دانستہ، نا دانستہ استعمال سے دم واجب ہو جاتا ہے۔ کھانا کھایا گیا، ایک کمی کا احساس ہوا، لبیک کی روح پرور صدائیں کم سنائی دیں۔ کچھ ٹی وی دیکھ رہے تھے، کچھ سو رہے تھے، باقی زیر لب ذکر و اذکار میں مصروف ہوں گے۔

صبح ڈھائی تین بجے جدہ ائر پورٹ پر اترے، بسوں کے ذریعے حج ٹرمینل تک پہنچے، ایک تھکا دینے والے عمل سے گزر کر پاکستانی انکلوژر میں پہنچے، تہجد کی نماز ادا کی، بسیں آ گئیں، بس ڈرائیور اناڑی تھا یا نہ جانے کیا وجہ تھی، تھوڑی دور جانے کے بعد پلٹ آتا، اور پھر چلنا شروع کر دیتا، ایک مرتبہ تو واپس ائر پورٹ لے آیا۔ خط سریع پر طویل انتظار کے بعد

سات بجے مکہ پہنچے، مکہ میں داخل ہونے کی دعا زیرلب پڑھتے رہے۔

''اے اللہ یہ تیرا اور تیرے رسول پاک ﷺ کا حرم ہے، پس میرے گوشت، خون اور ہڈیوں پر آگ کو حرام کر دے، اے اللہ مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھ، جس روز تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اور مجھے اپنے ولیوں اور اطاعت گزاروں میں شامل کر دے اور میری طرف توجہ فرما، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا (اور) بڑا ارحم کرنے والا ہے۔''

مکہ میں معلم کے دفتر کے سامنے بس کھڑی ہوئی، کافی وقت وہاں بھی صرف ہوا، معلم کی جانب سے جوس اور کیک پیس دیے گئے، خدا خدا کر کے بلڈنگ پہنچے، وہاں خدام الحجاج موجود تھے۔ پاکستانی عملے نے مسافروں کا سامان بسوں سے اتارا، ہمیں چھٹی منزل پر چھ افراد کے لیے کمرہ ملا، کمرے میں پہنچے، کچھ ہی دیر بعد معلم کی جانب سے کھانا آ گیا، تیز مرچوں والا مرغ آلو کا سالن، نان اور ایک ایک نہایت لذیذ مالٹا۔

کھانا کھا کر عمرے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ بھر لبیک کے ساتھ ساتھ دعائیں بھی مانگتے گئے، پہلی نظر کی دعا سال بھر سے تیار کر رکھی تھی، کیا کیا مانگنا ہے، کیسے مانگنا ہے، آنکھیں جھکائے بغیر کعبہ کا دیدار کرنا ہے، جب کہ سنا یہ بھی ہے کہ انسان اسے آنکھ بھر کر دیکھ ہی نہیں سکتا۔

ایک طرف رعب و دبدبہ، شان وشوکت، رفعت و اقبال، جلال و جمال دوسری جانب اپنی کم مائیگی کا احساس، گناہوں کی کثرت، دل آزاریوں کے ازدحام کے ہمراہ انسان اس درِ رحمت پر پہنچتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے، اپنی خوش نصیبی کے رشک آور احساس پر کہ اللہ نے اسے اپنی مہمان نوازی کے لیے منتخب کیا ہے، ندامت اور خوف غلبہ پا لیتے ہیں،

کانپتے لبوں اور جھکی آنکھوں کے ساتھ وہ آہستہ آہستہ چلتا، سیاہ لبادے میں ملبوس اس مرکز نور کی جانب بڑھتا ہے، جس نے اپنی ابتدا سے آج تک زمانے کے کئی رنگ دیکھے، لیکن ہر رنگ میں عبادت کا مرکز رہا۔ دنیا کی واحد عبادت گاہ جہاں دن ہو یا رات، عبادت کا سلسلہ کبھی موقوف نہیں ہوتا۔

فرشتوں کی تعمیر کردہ اس عمارت کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ جب انسان اپنے گناہوں پر ندامت محسوس کرے گا تو کوئی ایسا مقام ہونا چاہیے کہ جہاں آ کر وہ توبہ و استغفار کر کے اپنے رب کو راضی کرے۔ مخلوق ابھی تخلیق نہیں ہوئی اور اس کی بخشش و مغفرت کا اہتمام پہلے ہی سے کر دیا گیا۔

حضرت جبرائیلؑ کی رہنمائی میں بعد ازاں حضرت آدمؑ اور ان کے بیٹے شیثؑ نے اسے تعمیر کیا، پانچ پہاڑوں کوہِ جودی، کوہِ طور، کوہِ زیتون، کوہِ لبنان اور جبلِ حرا کے پتھر استعمال میں لائے گئے۔ جنت سے لایا گیا حجرِ اسود نصب کیا گیا، بندوں کو بندگی کا مرکز مل گیا، یہاں تک کہ حضرت نوحؑ کے عہد میں ان کی نافرمان قوم کو ہوش ربا طوفان نے آ لیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے کائنات کے پہلے پہاڑ کوہِ ابوقبیس پر لا کر حجرِ اسود رکھ دیا۔ کعبہ کے نشانات باقی نہ رہے، لوگ اندازے سے عبادت کرتے رہے۔

مدتیں گزر گئیں، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اللہ کی مدد سے بنیادوں کا سراغ لگایا اور تعمیر شروع کی۔ حضرت جبرائیلؑ کوہِ ابوقبیس پر محفوظ حجرِ اسود لے آئے، کعبے کی دیواریں بلند ہو چکی تھیں حضرت جبرائیلؑ جنت سے ایک اور پتھر لے آئے کہ اب اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کعبہ کی جائے، ایمان کی حرارت نے اس پتھر کو موم کی طرح پگھلا دیا،

حضرت ابراہیمؑ کے پائے مبارک کے نقش اس پر ثبت ہو گئے، پتھر ضرورت کے مطابق گردش کرتا رہتا اور بلند ہوتا رہتا۔ لاکھوں بندگان توحید کو جائے پناہ مل گئی۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا حضرت محمد ﷺ کی صورت مجسم ہو کر سامنے آئی۔

کعبہ کے متولی اہل قریش کو اس لیے از سر نو تعمیر کی ضرورت پیش آئی کہ آتش زنی کے باعث کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا تھا۔ پاک نیت اور حلال مال سے تعمیر کعبہ کا آغاز ہوا۔ کعبہ کا وہ حصہ جو حطیم کہلاتا ہے، تعمیر سے اس لیے رہ گیا کہ اہل قریش کے پاس جائز آمدن باقی نہ رہی تھی۔ حجر اسود نصب کرنے کا تنازع حضور ﷺ کی فہم وفراست سے حل ہوا۔ کعبہ کا ایک ہی بلند دروازہ رکھا گیا تا کہ اہل قریش اپنے پسندیدہ لوگوں کو ہی اندر جانے کی اجازت دیں، حضور ﷺ مصلحتہً خاموش رہے، جب کہ ان کی خواہش تھی کہ لوگوں کی سہولت کے لیے دو دروازے زمین کے ساتھ مشرق ومغرب کی سمت بنائے جائیں۔ حضور ﷺ کی اس خواہش کی تکمیل حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کی، جب اموی افواج نے خانہ کعبہ کو اس قدر نقصان پہنچایا تھا کہ اس کی تعمیر از سرِ نو کرنا پڑی تھی۔ مروان کے بیٹے عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو اجازت دے دی کہ کعبہ کو اس کی پرانی ہیئت پر تعمیر کیا جائے۔ بعد میں جب اسے علم ہوا کہ حضرت زبیرؓ کی تعمیر حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق تھی تو وہ بہت پچھتایا۔

آج ہم بندگی کے اسی پہلے مرکز کی طرف رواں تھے۔ یقین کبھی وہم کی صورت اختیار کر لیتا، واقعی ہمارے نصیب ہمیں اس در کی طرف لیے جا رہے ہیں۔ راستے بھر خیالات اور دعاؤں کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ جاری رہا۔

خانہ کعبہ ہماری رہائش سے دس پندرہ منٹ کی مسافت پر تھا۔عمارت کی دلکشی، صفائی اور معجزاتی فنِ تعمیر، اس وقت کچھ دیکھنے کا خیال نہ تھا، خیال تھا تو صرف یہ کہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی کیا دعا مانگنی ہے،نظریں جھکائے حرم پاک پہنچے۔سب ساتھی لاشعوری طور پر الگ ہو چکے تھے۔دررحمت سامنے تھا، پہلی نظر کی دعا دل وذہن کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔

''اے اللہ،تو میری تمام جائز دعائیں قبول فرما اور مجھے مستجاب الدعا بنا دے۔''

ڈرتے ڈرتے نگاہ اوپر کی، کائنات کے عین مرکز میں تعمیر یہ عمارت، جسے اللہ نے 'بیتی' یعنی میرا گھر کہا ہے۔میں نے دیکھا ایک عام سی عمارت ہے، جس پر سیاہ غلاف چڑھا ہے نہ ملکوتی پھبن نہ دلکشی ورعنائی کا کوئی نادر مرقع۔حیرت، محبت،عقیدت،خوف کسی جذبہ و احساس کا دور دور پتا نہیں، شان کبریائی، جلال و جمال کا کوئی رعب و دبدبہ دل پر نہیں۔ آنکھوں میں نمی آئی اور نہ ہی گناہوں کی طویل فہرست یاد آئی۔کچھ بھی تو نہ ہوا دعائیں جو ہمیشہ سے مانگتی آرہی تھی،بغیر کسی دل گرفتگی اور تاثر کے مانگتی رہی،ممتاز مفتی البتہ یاد آئے۔

کافی دیر خانہ کعبہ کو دیکھتی رہی۔یہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے۔کتنے طویل انتظار اور کتنی آرزوؤں کے بعد میں یہاں پہنچی تھی۔رب کائنات میرے احساسات پتھر کیوں ہو گئے ہیں۔بدن پر لرزہ طاری ہوا نہ شدید محبت کا احساس جاگا نہ اپنے سگ دنیا ہونے کا خیال آیا۔اپنا تجزیہ کیا،معلوم ہوا،صنم آشنا دل جتنی چاہے نمازیں پڑھ لے، اسے کچھ حاصل نہ ہوگا، خانہ کعبہ پر نگاہ پڑتے ہی جو دعا مانگنی تھی، وہ بھی نہ یاد آئی، کتاب کھول کر دعا پڑھی ......'' اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ''

احساسِ ندامت لیے شاہد کی جانب آئی، ان پر ان تمام کیفیات کا اثر واضح

تھا، جن سے میں محروم تھی۔ مجھے یاد آیا، حج کے لیے گھر سے نکلتے ہوئے میں نے نہ جانے کتنی مرتبہ نفل پڑھے تھے، ہر مرتبہ تیزی سے نفل پڑھ کر اٹھ جاتی اور دنیا کے دھندوں میں مصروف ہو جاتی۔ شاہد کا معاملہ مختلف تھا۔ انھوں نے نہایت سکون سے نوافل ادا کیے، رو رو کر دیر تک دعائیں مانگتے رہے تھے۔ آج یہاں بھی یہی صورت حال تھی۔ مجھے شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ اللہ کی مجھ پر خاص نظرِ کرم تھی، ورنہ میں تو اس قابل نہ تھی۔

نہایت بوجھل دل کے ساتھ عمرہ کے مناسک کا آغاز کیا۔ حجرِ اسود کی سیدھ میں سرخ لکیر تک پہنچے، سال بھر سے کتابیں پڑھ رہے تھے، وہاں جا کر کچھ یاد نہ آیا کہ کیا پڑھنا ہے، نیت کیسے کرنی ہے، آغاز کیسے کرنا ہے، شاہد سے کہا ''مجھے کچھ یاد نہیں آرہا کیا کہنا ہے، کیا پڑھنا ہے۔ آپ جو بھی پڑھیں، بلند آواز سے پڑھیں۔''

''اے اللہ میں تیرے گھر کے طواف کے سات چکروں کی نیت کرتا ہوں، تو اسے میرے لیے آسان فرما اور قبول فرما۔''

نیت کے بعد کانوں تک دونوں ہاتھ اٹھا کر ''بسم اللہ اللہ اکبر و للہ الحمد''، کہہ کر ہاتھ نیچے کیے، پھر دونوں ہاتھ سینے تک اٹھا کر حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے چوم لیے۔ استلام کے بعد طواف شروع کیا، شاہد اضطباع میں تھے، پہلے تین چکروں میں انھیں رمل کرنا تھا، ایک عجیب سماں تھا، عاشقانِ الٰہی دیوانہ وار طواف میں مصروف تھے۔

طواف کے دوران میں طواف کعبہ کی تاریخ جو ''کعبۃ اللہ اور اس کا حج'' میں پڑھی تھی، نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگی، حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے جناب امام زین العابدینؒ نے طوافِ کعبہ کے بارے میں فرمایا، یہ اس زمانے کا ذکر ہے کہ جب نوری

مخلوق فرشتے ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہتے اور اللہ کے احکامات کی پیروی کرتے ۔ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے زمین پر خلیفہ بنانے کا ارادہ فرشتوں پر ظاہر کیا،تو وہ اپنی عبادت اور اطاعت میں سرخروئی کے باعث گویا ہوئے ،تو اس نوری مخلوق کے ہوتے ہوئے ایک ایسی مخلوق کی تخلیق کیوں چاہتا ہے جو دنیا میں دنگا اور فساد کرے اور قتل وغارت گری جس کا شیوہ ہو، جب ہم تیری عبادت اور حمد وثنا کے لیے موجود ہیں تو پھر اس مخلوق کی کیا ضرورت، بہر حال جو اللہ جانتا ہے وہ کوئی اور نہیں جانتا۔فوراًہی فرشتوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم تو وہ مخلوق ہیں کہ جو اب تک اللہ کے احکامات پر بے چون وچرا عمل کرتے آرہے ہیں،آج ہم سے کیا خطا ہوئی کہ اس سے تکرار کر بیٹھے، کہیں ہم نے اپنے رب کو ناراض تو نہیں کر دیا۔ اس رنج ،ندامت اور خوف کی حالت میں وہ اٹھے اور اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے عرش علا کا دیوانہ وار طواف شروع کر دیا۔لبوں پر تسبیح و استغفار کے کلمات تھے اور اپنی خطا کی معافی کی درخواست بھی ، رب کریم جو الغفور الرحیم ہے اسے اپنی مخلوق پر پیار آ گیا، اسے اپنے عفو وکرم سے مالا مال کیا اور عرش کی سیدھ میں نیچے ساتویں آسمان پر بیت معمور کی تعمیر کا حکم دیا اور فرشتوں کو ہدایت کی کہ وہ اس گھر کا عرش علا کی طرح طواف کریں ان کی خطا معاف ہوجائے گی۔

یہ بیت معمور وہ زیارت گاہ ہے کہ جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے طواف کے لیے آتے ہیں اور پھر دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔عرش علا اور بیت معمور کا طواف زائر کے والہانہ شوق اور سرمستی کا واضح ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے اس بے تابانہ انداز کو پسند فرمایا اور ارادہ کیا کہ زمین پر بھی ایک ایسا ہی گھر بنایا جائے جو اللہ کا گھر کہلائے ۔

''اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرے لیے اب زمین پر بھی ایک گھر بناؤ، تا کہ اولادِ آدمؑ سے جب میں کسی بات پر ناراض ہو جاؤں تو وہ اس کی پناہ لے سکے اور جس طرح تم نے میرے عرش کا طواف کیا تھا وہ اس کا طواف کر سکے، تب میں اس سے راضی ہو جاؤں گا جس طرح تم سے راضی ہوا تھا، چنانچہ فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی ......''

(کعبۃ اللہ اور اس کا حج ،مولانا محمد معراج الاسلام ۔صفحہ ۴۲)

اس نوری مخلوق نے عرشِ الٰہی اور بیتِ معمور کی سیدھ میں نیچے جہاں ٹھاٹیں مارتے سمندر کے درمیان ایک قطعہء زمین ابھرا ہوا تھا، چاردیواری قائم کی اور طواف میں مشغول ہو گئے ۔یہی زمین پر اللہ کا پہلا گھر کہلایا ،ستر ہزار فرشتے بیت معمور سے فارغ ہو کر روزانہ اس کے طواف کو آتے ، یہاں تک کہ بنی نوع آدمؑ کی تخلیق ہوئی اور قرن ہا قرن سے یہ سلسلہ جاری ہے ۔

آج ہم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی یہاں طوافِ کعبہ میں مشغول ہیں ۔صدیاں گزر گئیں، یہ کیسی عبادت گاہ ہے،کیسی عبادت ہے کہ لمحہ بھر کے لیے بھی اس کا سلسلہ منقطع ہونے نہیں ہو پاتا ،ہر رنگ نسل ،زبان اور خطے کے لوگ شاہ و گدا طواف میں مشغول ہیں ۔

''......الجزائر کے بن بیلا کی آمد پر اس خیال سے کہ بعض خفیہ رپورٹیں نازک تھیں،سعودی حکومت نے کعبۃ اللہ کے دائرہ سے زائرین کو چند منٹ کے لیے پیچھے ہٹا دیا، جونہی طواف رکا اور مطاف خالی ہوا، کبوتروں کی ٹکڑیاں اِدھر اُدھر سے نکلیں اور بھرپور طواف شروع کر دیا ۔ یہ نظارہ الٰہی دیکھ کر اعضائے رئیسہ سراسیمہ ہو گئے ،فوراً اپنی روک ہٹا لی اور طواف شروع ہو گیا ۔کبوتر جس طرح آئے تھے اسی طرح لوٹ گئے ،بن بیلا آئے اور عام

لوگوں کے ساتھ طواف کر کے چلے گئے ۔''(شب جائے کہ من بودم۔شورش کاشمیری،صفحہ ۴۷)

دل کی عجب کیفیت ہوئی آج ہم بھی اسی مطاف میں طواف میں مصروف ہیں جہاں فرشتوں،پیغمبروں اور ولیوں کے قدم پڑے تھے۔دل کو تسلی دی کہ ہم عاصیوں کا بھی بیڑا پار ہو جائے گا۔

انھی سوچوں کے ساتھ تیسرے کلمے کا ورد جاری تھا۔رکن یمانی پر ربنا آتنا فی الدنیاحسنۃً و فی الآخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النار اور پھر حجر اسود کی پٹی کی تلاش میں نگاہیں زمین کی طرف، پٹی کے قریب ہجوم،کہ وہاں استلام کرنا ہوتا ہے،جس میں دو ایک سیکنڈ ہی لگتے ہیں،لیکن لوگ اس لکیر سے ہلنا نہیں چاہتے۔یہاں تک دیکھا گیا کہ لوگ یہاں بیٹھے نوافل ادا کر رہے ہیں اوراس بات سے قطعی بے نیاز کہ اس سے طواف کرنے والوں کو کتنی مشکل پیش آ رہی ہے۔یہی حال مقامِ ابراہیم پر تھا۔

مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ میں تو نماز پڑھتے ہوئے رکعت بھول جاتی ہوں، طواف وسعی کرتے ہوئے میں ضرور تذبذب کا شکار ہو جاؤں گی۔اسلام آباد میں احرام کی خریداری کے دوران میں دکان دار نے سات دانوں کی تسبیح ہدیہ کی تھی،اس نے میری مدد کی،شاہد حسب معمول ان چیزوں سے بے نیاز تھے۔وہ طواف کے شروع میں ہی ہر چکر کے لیے دعا،کلمہ یا قرآنی سورتوں کا تعین کر لیتے،جس کے ورد کے ساتھ اپنے طواف کے سات شوط مکمل کر لیتے۔واقعی انھیں اس سارے عرصے میں اپنی گنتی میں شک نہیں ہوا۔

ہم نے سکون سے طواف مکمل کیا کہ ابھی رش زیادہ نہ تھا اور طواف بھی کعبہ کی

دیوار کے ساتھ کیا۔آٹھواں استلام کیا، یہ احساس البتہ رہا کہ یہ عمرہ تو ریہرسل ہے آئندہ ہونے والے عمروں اور حج کی، پھر دورانِ طواف جوکوتاہیاں ہورہی ہیں، آئندہ ان کا بھی دھیان رکھنا ہے۔احساس ہوامطالعہ اور بات ہے اور تجربہ اور چیز۔

طواف کے بھی کچھ آداب ہیں۔طواف کرتے ہوئے نگاہیں نیچی رکھیں، دائیں بائیں نہ دیکھیں، حجر اسود کے استلام کے سوااپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف نہ کریں، دوران طواف کعبہ کی طرف سینہ یا پشت کرنا جائزنہیں اور نہ ہی دوران طواف کعبہ کو دیکھنے کی اجازت ہے۔

مقام ابراہیم کے پیچھے جا کر دونوافل پڑھے۔اب ہم آب زم زم پینے کے لیے وسیع سیڑھیوں سے نیچے تہ خانے میں اترے۔شاہد نے مردانے اور میں نے خواتین کے لیے بنائے گئے مقام سے جی بھرکرآب زمزم پیا بھی لنڈھایا بھی اور دعا مانگی......

''اے اللہ میں تجھ سے نفع دینے والے علم اوروسیع رزق اور ہر ایک بیماری سے شفا کا طلب گار ہوں۔''

بے شمار نلکے زائرین کوسیراب کررہے تھے۔میں نے اس مقام کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ایک گرل نما دروازہ ہے، جو بند ہے، میں جان گئی کہ یہی آب زم زم کا منبع ہے کہ جہاں معصوم اسماعیلؑ کی ایڑیوں کی رگڑ نے رب کریم کواس کرم پر آمادہ کیا جو رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گا۔یہیں حضرت ہاجرہ کے ہونٹوں سے بے تابانہ نکلا ہوگا، زم زم،ٹھہر ٹھہر۔آج میں بالکل اسی مقام پر کھڑی ہوں، میں نے موٹی گرل والے مقفل دروازے کے قریب ٹھنڈے فرش پرشکرانے کے دونوافل کی نیت کی۔ٹھنڈے فرش پر سجدے کی تاثیر روح تک

اتر گئی۔ پوری امت مسلمہ کی عافیت کے لیے دعا کی اور آب زم زم کے اس خنک تہ خانے سے باہر آئی، شاہد منتظر تھے۔

نوافل استلام کیا اور سعی کے لیے صفا کی جانب روانہ ہوئے بھیڑ زیادہ نہ تھی، سکون کے ساتھ کتاب کھول کر ہر پھیرے کی اردو میں دعا پڑھتی گئی، اجنبیت کا احساس کچھ کچھ زائل ہونے لگا۔ سعی کے اختتام پر شاہد نے حلق کرایا اور میں نے ایک پور کے برابر بال کاٹے، عمرہ کے شکرانے کے نفل خانہ ءکعبہ کے سامنے ادا کیے۔

عدیلہ طاہر نے شادی کے آٹھ سال بعد ہونے والے خدا کے لطف وکرم کے شکرانے کے نفل پڑھنے کے لیے اور جڑواں بچوں، حمزہ اور آمنہ کی صحت وزندگی کی دعا کے لیے کہا تھا، شاہین نے صلوٰۃ الحاجات پڑھنے کے لیے کہا تھا، وہ پڑھے۔ نفل پڑھنے شروع کیے، اتنا دل لگا کہ سلام پھیرتے ہی پھر اگلے نوافل کی نیت کر لیتی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ شاہد میرے فارغ ہونے کا انتظار کر رہے ہیں، میں پڑھتی گئی۔ آخر انھیں کہنا پڑا کہ اب اٹھو، ذرا حرم کعبہ کا ایک چکر لگا لیتے ہیں۔

اسی اثنا میں ظہر کا وقت ہوگیا۔ یہاں سب نے کہا تھا کہ باجماعت نماز کا طریقہ سیکھ کر جانا، خاص طور سے فیصل مسجد جا کر نماز پڑھی تھی، لیکن وہ حصہ مردانے حصے سے اتنا الگ ہے کہ کچھ سیکھنا خاصا مشکل ہے۔ حرم پاک میں باجماعت نماز کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ ایک طواف اور کیا پھر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ پاکستانی ہوٹل سے کھانا کھایا، بہت اپنائیت کا احساس ہوا۔

اختر باجی نے کبوتروں کو دانہ ڈالنے کے لیے کچھ رقم دی تھی، وہاں حبشی خواتین

لفا نے پکڑے دانہ بیچتی نظر آئیں، دانہ خریدا، سرمئی کبوتروں کی مودب ٹولیاں ہوا میں اتنی آہستگی سے پرواز کرتی اور اتنی خاموشی سے ہمارے قدموں میں دانہ چگتی دکھائی دیتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، انھیں دانہ ڈالا ابھی دو قدم بھی نہ چلے ہوں گے کہ وہی حبشی خواتین تیزی سے آگے بڑھیں اور جلدی سے سارا دانہ سمیٹ کر اپنے لفافے میں ڈالا اور کسی اور حاجی کا دامن کھینچنے لگیں۔ میں اس منظر سے کچھ اس طرح بد دل ہوئی کہ تمام حج کے دوران حبشی خواتین سے کبھی کوئی شے نہ خریدی۔

عصر سے بہت پہلے پھر حرم پاک پہنچ گئے۔ خود سے کیا گیا وعدہ یاد تھا۔ حرم پاک میں انشا اللہ روزانہ ایک مرتبہ صلوٰۃ التسبیح پڑھا کروں گی۔ چنانچہ نماز ادا کی۔ باب عبدالعزیز ہماری قیام گاہ کی سیدھ میں تھا۔ آنے جانے کے لیے یہی دروازہ منتخب ہوا۔

عشاء کی نماز کے بعد نوافل کی ادائیگی میں مصروف تھی۔ شاہد قرآن پاک کے نسخوں کا جائزہ لے رہے تھے، وہیں ان کی ملاقات ایک پاکستانی خادم سے ہوئی ...... یہ بات میں نے جلد ہی محسوس کر لی کہ شاہد کی نگاہ مردم شناس ہے۔ وہاں سیکڑوں پاکستانی قربِ حرم سے فیض یاب ہورہے ہیں۔ وہ صفائی اور آبِ زمزم پلانے کی خدمات پر مامور اصحاب میں سے کسی ایک کو منتخب کرتے ہیں اور پھر اس سے تاریخی مقامات کے بارے میں معلومات حاصل کر لیتے ہیں، چونکہ وہ خانہ ءکعبہ، مکہ، مدینہ منورہ، مسجد نبوی اور دوسری زیارتوں کے متعلق خاصا مطالعہ کر کے چلے تھے، اندازہ تھا کہ کون سا مقدس مقام کہاں پر ہونا چاہیے ......شاہد کو ایک ایسے ہی صاحب دکھائی دیے، جو ان کے خیال میں بہت کچھ جانتے تھے شاہد نے ان سے پوچھا ''کیا مجھے اردو ترجمے والا قرآن پاک مل سکتا ہے؟''

''ہاں ایسا ممکن ہے، صبح کے وقت آپ باب عمرہ پر آ جایئے، بہت سے حاجی حضرت قرآن پاک ہدیہ کرتے ہیں، چونکہ حرم پاک میں صرف سعودی حکومت کے شائع کردہ ایک ہی تختی کے تمام نسخے رکھے جاتے ہیں اس لیے ہدیہ کیے گئے نسخے دوسرے دن باب عمرہ پر خواہشمند حاجیوں میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔'' ان صاحب نے جواب دیا اور مزید فرمایا۔

''سعودی حکومت کو دراصل یہ قدم اس لیے اٹھانا پڑا کہ لوگ اپنے اپنے فرقوں کی تفسیر وتراجم والے قرآن یہاں رکھ جاتے ہیں اور عام مسلمان اپنی ناواقفیت کی بنا پر انھی کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں دیکھا گیا ہے کہ وہ فرقہ جسے اپنے مذہبی نکتہ ءنظر کے باعث غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے، دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے اپنے تبلیغی ساز وسامان کے ہمراہ یہاں بھی آموجود ہوتا ہے، بہر حال آپ فکر نہ کیجیے، آپ کو کل اردو ترجے والا قرآن پاک کا نسخہ مل جائے گا۔''

دورانِ گفتگو پتا چلا کہ ان کا نام ٹکا خان ہے، ضلع راولپنڈی، کہونہ کے ساتھ کسی گاؤں سے تعلق ہے۔ بعد میں ہمارا جب تک مکہ قیام رہا ٹ رابطہ رہا۔

انھوں نے شاہد سے پوچھا''کیا آپ نے حجر اسود کو بوسہ دینے کی سعادت حاصل کر لی ہے۔''

شاہد نے کہا''ہم آج ہی پہنچے ہیں، پھر حجر اسود پر بھیڑ اتنی زیادہ ہے کہ ابھی سوچا نہیں۔''

جناب ٹکا خان کہنے لگے''ابھی سوا نو بجے ہیں، ساڑھے نو بجے حجر اسود کو عطر سے

غسل دیا جائے گا، اس کے لیے ہماری ٹیم وہاں پہنچ کر رسی سے گھیرا ڈالے گی، آپ کوشش کر کے اس رسی کے اندر آ جائیں تو بوسہ دینے کا موقع انشا اللہ مل جائے گا۔''

ہم دونوں بہت خوش ہوئے اور ملتزم کے پاس آ کھڑے ہوئے، شاہد کو ملتزم پر جگہ مل گئی۔ملتزم وہ مقام ہے کہ جو حجر اسود اور خانہ کعبہ کے دروازے کے درمیان ہے، جہاں تمام نبیوں اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے اس جگہ دونوں ہاتھ اپنے سر سے اوپر بچھا رکھ کر اور سینہء مبارک دیوار سے ملا کر، رخسار بھی دیوار پر رکھ کر رو رو کر اپنی امت کی مغفرت اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے دعائیں کی تھیں، اس انتہائی مبارک ،متبرک اور فضیلت والے مقام تک رسائی آسان نہیں کہ سبھی جانتے ہیں کہ اس مقام پر کی گئی دعا ضرور قبول ہوگی، مقام ملتزم پر کی گئی دعا ذہن میں گردش کرنے لگی۔

''اے اللہ، اے اس قدیم گھر کے مالک، ہماری گردنوں کو ہمارے باپ دادوں، ماؤں، بہنوں، بھائیوں اور اولاد کی گردنوں کو دوزخ سے آزاد کر دے۔اے بخشش والے، کرم والے، فضل والے، احسان والے، عطا والے، اے اللہ تمام معاملات میں ہمارا انجام بخیر فرما اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، تیرے مقدس گھر کے دروازے کے نیچے کھڑا ہوں اور تیرے دروازے کی چوکھٹ سے لپٹا ہوا ہوں، تیرے سامنے عاجزی کا اظہار کر رہا ہوں اور تیری رحمت کا طلب گار ہوں اور تیرے دوزخ کے عذاب سے ڈر رہا ہوں، اے ہمیشہ کے محسن اب بھی احسان فرما دے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، کہ میرے ذکر کو بلندی عطا فرما اور میرے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر اور میرے کاموں کو درست فرما دے اور میرے دل کو پاک کر اور میرے لیے قبر

میں روشنی فرما اور میرے گناہ معاف فرما اور میں تجھ سے جنت کے اونچے درجوں کی بھیک مانگتا ہوں۔''

میں قریب ہی کھڑی تھی، بہت جی چاہا کہ میں بھی اس چوکھٹ کو چھولوں، لیکن جراٴت نہ کرسکی۔ شاہد ملتزم کے ساتھ چمٹے دعائیں مانگ رہے تھے اور بار بار پیچھے مڑ کر بھی دیکھتے جاتے تھے۔ بعد میں انھوں نے بتایا کہ میری کیفیت کا اندازہ کرنا کتنا مشکل ہوگا، میں اس مقام سے چمٹا ہوا ہوں کہ جہاں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت محمدﷺ سے لے کر آج تک نبیوں ولیوں نیک ہستیوں نے چمٹ کر دعائیں کیں، اللہ کا بے انتہا کرم کہ اس نے مجھے یہ موقع دیا کہ میں کسی کاوش کے بغیر نہایت سکون کے ساتھ اس درِ رحمت سے لپٹا ہوا تو ہوں مگر میرا دھیان کسی اور طرف ہے کہ کہیں میں رسی سے باہر رہ جاؤں اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا یہ خوش قسمت وقت گنوا بیٹھوں، تذبذب کے حصار میں مقید دو ذہنی کی حالت میں کہ ملتزم کو چھوڑنے کو جی چاہے نہ حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی سعادت سے محروم رہنے پر دل آمادہ ہو، پھر یوں ہوا کہ ایک دم صفائی کی ٹیم آ گئی، انھوں نے گھیرا تنگ کرلیا اور میں اس گھیرے سے باہر رہ گیا۔ نہایت تیزی کے ساتھ انھی بزرگ جناب ٹکا خان کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا، انھوں نے مجھے رسی کے اندر کرلیا اور باری آنے پر میں نے نہایت سکون کے ساتھ حجرِ اسود کو بوسہ دے لیا۔

میں خواتین کے گروپ کے ساتھ کھڑی تھی، پہلے خواتین کو اس سعادت کا موقع فراہم کیا گیا، حجرِ اسود کے مقام پر متعین شرطہ حجرِ اسود سے چمٹ جانے والی اور جگہ نہ چھوڑنے والی خواتین کو بالوں سے کھینچ کر باہر کی طرف دھکیل رہا تھا۔ مجھے یہ منظر اچھا نہ لگا، میں نے

سوچا کہ میں صرف بوسہ دوں گی اور اس سے پہلے کہ شرطے کا ہاتھ میرے بالوں کی جانب بڑھے میں تیزی سے ہٹ جاؤں گی۔ میں نے یہی کیا بوسہ دے کر حطیم کی طرف آ کھڑی ہوئی اتنے میں شاہد بھی آ گئے۔

حطیم خانہ کعبہ کے شمال کی جانب کا وہ حصہ ہے جسے طواف میں شامل کرنا واجب ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے خانہ ءکعبہ میں نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا حطیم میں نوافل ادا کرلو، یہ خانہ کعبہ کا ہی حصہ ہے۔ حطیم میں نفل ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ بھیڑ تو تھی لیکن جگہ مل گئی۔ میں نے نفل پڑھنے شروع کیے اور پڑھتی چلی گئی ڈر تھا کہ شرطہ بول نہ اٹھے۔ چودہ نوافل ادا کرنے کے بعد حطیم سے باہر آئی شاہد کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ دس منٹ، پندرہ منٹ، پون گھنٹہ، اس دوران میں گردوپیش کا بھی چکر لگا آتی اور پھر وہیں کھڑی ہوجاتی۔ میں پریشان تو نہ ہوئی، بور البتہ ہوگئی کہ اگر وہ مل جاتے تو سکون سے بیٹھ کر عبادت کر لی جاتی۔ آخر تھک کر باب عبدالعزیز کے قریب جہاں جوتوں کا تھیلا رکھا تھا وہاں پہنچی، دیکھا شاہد وہاں پریشانی کے عالم میں کھڑے ہیں۔ تھوڑی بہت ڈانٹ پڑی کہ دو نفل ادا کر کے میں تو حطیم سے باہر آ گیا تھا تمہاری تلاش میں اتنا وقت صرف کیا، کیا یہ بہتر نہ تھا کہ میں ایک طواف ہی کر لیتا۔ خیر اس پہلے روز کے تجربے نے پھر کبھی نہ بچھڑنے دیا۔ ہم نے اپنے تھیلے کو اپنے ملنے کا مقام بنالیا، جو فارغ ہوتا وہاں آ جاتا۔

دوسرے دن نماز فجر کے بعد طواف کا آغاز کیا، سب سے پہلے حضور ﷺ کے نام کا طواف کیا، پھر حضرت ابراہیمؑ، اپنے دادا، دادی، امی ابا جی کے نام کے طواف کیے۔ پھر اس کے بعد بہن بھائیوں کو ہدیہءثواب کے لیے طواف شروع کیے۔ اس سلسلے میں پہلے

ہی روز بحث ومباحثہ ہو چکا تھا۔ہم نے اسلام آباد میں حج کی ویڈیو فلم دیکھی تھی اس میں بتایا گیا تھا کہ آپ فوت شدہ عزیزوں کو طواف کا ثواب پہنچا سکتے ہیں اور حیات بہن بھائیوں اور دوستوں کو بھی اس کا ثواب ہدیہ کر سکتے ہیں ۔جب کہ یہاں بعض کا خیال تھا کہ جو زندہ ہیں اور خود آ کر طواف ،عمرہ و حج کر سکتے ہیں، انھیں ہدیہ نہیں کیا جا سکتا۔چنانچہ ہم نے یہ درمیانی رستہ نکالا کہ طواف برائے خصوصی دعا...... اس سلسلے کا پہلا طواف برائے خصوصی دعا،حمید بھائی ،صبیحہ باجی ،مدیحہ، خالد،حمیرا،فریحہ اور عشاء کے نام کا کیا۔پھر خالہ جی کے ڈاکٹر ارشد کے نام کا کیا۔اسی طرح شاہد نے حضرت ابراہیمؑ،حضرت محمدﷺ پھر اپنے نانا نانی، دادا دادی، والد، بھائی طارق اور پھر امی جی، طاہر،نزہت،قدسیہ،ثروت باجی، جاوید، بلال،طلال،فہد اور ڈاکٹر رانا کو ہدایا ثواب کے لیے طواف کیے۔اس دن ہم نے نو نو طواف کیے۔جس کی بے حد خوشی ہوئی بلکہ احساس ہوا کہ دو چار طواف مزید کیے جا سکتے تھے۔حج سے پہلے میرا خیال تھا کہ ہم ہر روز یا دوسرے روز عمرہ کیا کریں گے۔شاہد نے کہا کہ یہ مشکل ہے ۔طواف البتہ خوب کریں گے انشا اللہ ۔

پھر کتابیں پڑھیں اور فلم دیکھی، اس میں یہی بتایا گیا تھا کہ عمرہ کی اہمیت اور فضیلت اپنی جگہ،لیکن عمرہ ایک دن میں ایک یا دو ہی کیے جا سکتے ہیں جب کہ طواف چالیس پچاس کیے جا سکتے ہیں۔بہر حال یہ اندازہ ہوا کہ چالیس پچاس مبالغہ بلکہ غلو ہے ۔غالباً یہ کہنا چاہیے کہ آپ کئی طواف کر سکتے ہیں ۔

ہم طواف کر کے خوش اور مطمئن تھے۔کعبہ سے اجنبیت اور بے گانگی کا وہ احساس ، میں نے محسوس کیا کہ آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا ہے۔اب دامنِ دل کعبہ کی طرف

کھنچا چلا جا تا ہے ۔اس کے قریب جانے اس کو چھونے کی خواہش زور پکڑتی جارہی ہے ۔ آنکھوں سے اشکوں کا سلسلہ جوشروع ہوتا ہے،تو تھمنا مشکل ہوجا تا ہے ۔ مجھے یاد آیا دانش کی آمد پر بھی تو میری یہی کیفیت تھی ۔ پہلے دوسرے تیسرے روز کوئی احساس محبت نہ جاگا، کچھ خیال نہ آیا کہ کتنی آرزوؤں اور کس قدر اذیت سہنے کے بعد مجھے یہ تحفہ، یہ مقام ملا ہے ۔ لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے صرف احساس محبت جاگا ہی نہیں ،شدت اختیار کرتا گیا ۔

آج کعبہ کے سلسلے میں بھی میرا یہی رویہ سامنے آیا تو مجھ پر کھلا کہ میں پہلی نظر میں محبت کی قائل نہیں ۔شکر ہے کہ یہ محبت پائدار ہے، بلکہ روز بروز اس میں اتنی شدت آتی جارہی ہے کہ بعض دفعہ میں خوف زدہ ہوجاتی ہوں ۔اسلام آباد آتے ہوئے قطعی احساس نہ تھا کہ کعبہ کی طلب اتنی شدید ہوجائے گی ۔جیسے جیسے دن گزررہے ہیں تڑپ میں اضافہ ہورہا ہے ۔خیال تھا، دعا بھی بہت مانگی تھی کہ آئندہ بچوں کے ساتھ عمرہ یا حج کے لیے آئیں، آتے ہی اس میں ترمیم کی ،عمرہ نہیں حج پر جائیں گے ۔عمرہ تو ایک مختصر عبادت ہے، جو لطف حج کا ہے وہ کسی اور عبادت میں کہاں؟

میں ایک روز کالج میں طاہرہ غوری سے، کہ جس کا خیال ہے کہ وہ پہلے عمرہ کرنا چاہے گی ،بات کررہی تھی کہ کعبہ کو اس وقت دیکھوں جب وہاں زیادہ رش نہ ہو، پھر خیال آیا کہ رمضان المبارک کے عمرہ کی رونق اور فضیلت،کبھی وہ نصیب ہوجائے تو کیا بات ہے، پھر یہ خواہش کہ حج کی سعادت مقدر میں ہو تو پھر وہی تمام مقامات، مشاہدات، تجربات اور کیفیات سے گزروں ۔اس کے دربار میں کیا کمی وہ ساری دعاؤں کو شرف قبولیت بخش سکتا ہے ۔

مدینہ منورہ

مدینے سے بلاوے کا انتظار تھا۔خیال تھا کہ پانچ چھ تاریخ کو مدینہ کے لیے عازم سفر ہوں گے۔ یہ تسلی بھی تھی کہ طواف کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ چنانچہ عطیہ، مشتاق اور ان کے چاروں شریر ترین اور بہت ہی پیارے بچوں حسن، محسن، ذہیب اور شعیب ......سہیل، رفعت اور ان کے بچوں ......شکیل اور اس کے بیوی بچوں ...... عالی، صائمہ اور آنے والی روح ......سمیرا رضوان اور ماشاء اللہ بے انتہا پیاری ورع کے لیے خصوصی دعا کے طواف کیے۔ پھر خالہ جی، طاہر، نزہت اور قدسیہ کے لیے طواف کیے۔ تایا جی بشیر احمد، دادا جی خان صاحب قاضی فضلِ حق، چاچا جی بذلِ حق محمود، چاچا جی عزیز الحق مسعود، غرض لاہور میں بسنے والے ان تمام رشتہ داروں کو جو اپنا مقامِ قیام بدل چکے ہیں، ان کے ایصالِ ثواب کے لیے طواف کیے۔ خاندان کے تمام فوت شدہ عزیزوں کے لیے ایک طواف کیا۔ دانش، سرمد اور فاروہر طواف کے وقت ساتھ ساتھ رہے۔ اب اللہ نے موقع دیا تو ان سب کے لیے الگ الگ طواف کیے۔ ہر عبادت کا الگ ہی مزہ ہے لیکن خدا کے حضور دیوانہ وار والہانہ طواف کرنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ میں سب سے زیادہ دعا دانش کے لیے کر رہی ہوں، ایک دم میں سرمد کے لیے دعا کرنے لگ جاتی کہ میں اکثر کہا کرتی ہوں کہ سرمد نہ ہوتا تو میں کیا کرتی، اور پھر اسی کی ذمہ داری پر سب کچھ اللہ کے حوالے کر کے حج کے لیے نکل آئے ہیں۔سب سے پیارا اور سب کا لاڈلا بچہ فاردیاد آتا کہ وہاں مجھے بچوں کی بالکل فکر نہ تھی سوائے اس کے کہ فارد کو اس کے دونوں بڑے بھائی لاڈ کر کر کے ستا دیں گے۔دانش تو فارد کے ساتھ اتنی ریسلنگ کرتا ہے کہ فارد چیخ پڑتا ہے۔

ایک دن دانش فارد سے پوچھنے لگا''فارد ایک بات تو بتاؤ تم ہمارے ساتھ خوب زورشور سے کشتیاں کر رہے ہوتے ہو، بلکہ ہماری ٹھکائی کر رہے ہوتے ہو، امی کے آتے ہی تم رونے چیخنے لگ جاتے ہو، یہ سب تم کیسے کرتے ہو۔''

کہنے لگا''بھائی زور زور سے آنکھیں میچو، آنسو خود بخود نکل آتے ہیں۔''

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہاں بچوں کے متعلق سوچنے یا پریشان ہونے کی مہلت ہی نہ ملی۔دعائیں ان کے لیے بہت کیں، لیکن فکرمند نہ ہوئے۔

۸فروری کی رات مدینے جانے کا مژدہ سنایا گیا، لیکن ہمیں یہ مایوسی ہوئی کہ سارا سفر رات کا کرائیں گے اندھیرے میں ہم اس سرزمین کا جائزہ کیسے لے سکیں گے، جس کے تصور میں ساری زندگی بسر ہوئی۔ہمارے پاس سارا دن موجود تھا، ہم نے کوئی نو بجے ارادہ کیا کہ ایک عمرہ ہی نہ کر لیا جائے۔احرام تھیلے میں ڈال کر ابھی باہر نکلنے ہی والے تھے کہ مہربانوں نے مشورہ دیا کہ آج آپ کو ایک طویل سفر کرنا ہے، اپنے آپ کو نہ تھکائیں، عمرہ تو مدینے سے آ کر بھی کیا جا سکتا ہے اور ایک لازمی عمرہ تو اسی دن ہو جائے گا جب ہم مکہ سے

یہاں پہنچیں گے۔ہم نے ان کی بات رد نہ کی جس کا آج بھی افسوس ہے کہ عمرے کا ایک بہترین موقع صرف تھکن کے خیال سے گنوادیا۔

عصر کے بعد مدینے کے لیے بس میں سوار ہوئے۔ذرا سا ہی چلے تھے کہ کاغذی کاروائیوں کے لیے بس ایک دفتر کے سامنے جارکی۔مکہ سے نکلتے نکلتے اندھیرا ہونے لگا۔

بس بہت ہی خوبصورت لیکن انتہائی تکلیف دہ، یعنی تنگ سیٹوں والی تھی۔شاہد سب سے آخر میں سوار ہوئے تو ان کے لیے بس کی آخری لمبی نشست ہی بچی تھی۔وہ وہاں جا بیٹھے۔وہ نشست بس کی سب سے کھلی اور دوسری نشستوں سے آرام دہ اور بلند تھی۔جس وجہ سے اردگرد چاروں طرف کا منظر بس کے کشادہ شیشوں سے خوب نظر آتا تھا۔انھوں نے مجھے بھی اسی نشست پر بلا لیا، پھر جناب وبیگم عابد آئے اور جب بیگم منیر بھی آگئیں تو شاہد بس کی اگلی تنگ سیٹوں پر پہنچ چکے تھے۔

پورے چاند کی چاندنی نے رات کے سفر کی ابتدائی مایوسی کو نہایت دلفریب احساس میں بدل دیا۔چاندنی میں نہائے عرب کے ریگ زار، ٹیلے اور گھاٹیاں، ہموار سڑک کے پیچ وخم، ہجرت اولی کے پندرہ روزہ سفر کے تخیلاتی پرتو، یہ سفر زندگی کے یادگار لمحوں میں تبدیل ہوتا رہا۔

اس سفر کی ایک اور یادگار بات یہ بھی تھی کہ ڈرائیور نے بس چلاتے ہی نہایت خوش الحانی کے ساتھ تلاوتِ کلامِ پاک شروع کردی اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا سلسلہ نہ رکا۔تلاوت کرنا اور سننا ہماری زندگی کا حصہ ہے لیکن جو سرور اس روز ملا اس کی حلاوت اب تک کانوں میں رس گھولتی ہے۔شاہد کا خیال ہے کہ اس نے تلاوت کا کیسٹ لگایا تھا، لیکن

مجھے جوآواز سنائی دیتی تھی وہ کسی مشین کی مرہونِ احسان نہ تھی۔

آدھی رات کو کھانا ایک ہوٹل میں کھایا، وسیع عریض صحرا میں ایک پٹرول پمپ، مسجد اور ہوٹل، وہاں دنیا کی کیا کیا نعمتیں موجود تھیں۔تلی ہوئی ثابت مچھلی، سلاد، روٹی، سالن، چاول اور نہ جانے کیا کیا۔ہم نے چاول منگوائے اور صبر وشکر سے کھالیے۔کچھ عرب شیوخ کھلے آسمان تلے قالین پر گاؤ تکیے لگائے ٹی وی پر فٹ بال کا میچ دیکھ رہے تھے، فٹ بال اہل عرب کا پسندیدہ کھیل ہے۔

تہجد کے وقت مدینہ منورہ پہنچے۔راستے بھر یہ خیال رہا کہ اتنی آرام دہ سواری، جس نے ہمیں آٹھ گھنٹوں میں مدینہ منورہ پہنچا دیا ہے، پھر بھی انسان ناشکری سے باز نہیں آتا، رات کا سفر کیوں؟ سیٹیں تنگ کیوں؟ حضور نے مکہ سے مدینے کا ۲۷۷ میل کا سفر کن حالات میں کیا تھا۔مکہ سے رخصت ہوتے ہوئے کس دل گرفتگی کے عالم میں ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے......

''مکہ تو مجھے ساری دنیا سے عزیز ہے مگر تیرے فرزند مجھے یہاں نہیں رہنے دیتے۔''

حضرت ابوبکر کے ہمراہ تین دن تک انتہائی مشکل پہاڑ پر غار ثور میں قیام، بے شمار خطروں کے درمیان موسم کی سختیاں اٹھاتے ہوئے پندرہ روز کے سفر کے بعد مدینہ داخل ہوتے ہیں۔والہانہ استقبال کا منظر دل پر یوں نقش ہے گویا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھا ہے۔شہر نبی ﷺ میں داخلے کے وقت درود شریف کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی ہونٹوں پر تھی......

'' الٰہی تو سلامتی والا ہے اور تیری طرف لوٹتی ہے سلامتی، پس زندہ رکھ ہمیں ہمارے رب سلامتی کے ساتھ اور داخل فرما ہمیں اپنے گھر میں جو سلامتی والا ہے، بابرکت ہے، تو اے ہمارے رب اور اے عالی شان عظمت اور بزرگی والے پروردگار، داخل فرما مجھے مدینہ میں، داخل فرمانا مجھے سچا اور نکالنا مجھے مدینہ سے سچا اور عطا کر مجھ کو اپنی جانب سے فتح اور نصرت اور کہہ دیجیے آ گیا حق اور مٹ گیا باطل، بلاشبہ باطل مٹنے والا ہی تھا، اور ہم اتارتے ہیں قرآن جو کہ شفا اور رحمت ہے اور نہیں بڑھتے ظالم مگر خسارے میں۔''

اپنی بلڈنگ پہنچے، وہاں آٹھ لوگوں کا کمرہ ملا، مسجد دس منٹ کی مسافت پر تھی۔ تہجد اور نماز فجر کی ادائیگی کے لیے درود شریف کا ورد کرتے ہوئے مسجد نبوی پہنچے، جس کی بنیاد چودہ سو بیس سال پہلے حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے رکھی تھی اور جس کے بارے میں فرمایا

......''میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نمازیں پڑھنے سے افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے، کہ وہاں نماز پڑھنا میری مسجد میں سو نمازیں پڑھنے سے افضل ہے۔''

مدینہ منورہ آمد پر آپ کی اونٹنی قصویٰ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر رکی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں قیام فرمایا۔

اس گھر کی تاریخی حیثیت واہمیت صرف اتنی ہی نہیں کہ آپ ﷺ مدینہ آمد پر اس مکان میں رہائش پذیر ہوئے بلکہ اس مکان کی اصل اہمیت تو اس سے کہیں زیادہ ہے افتخار احمد حافظ قادری اپنی کتاب ''دیار حبیب'' میں بیان کرتے ہیں کہ اس مبارک گھر کی تعمیر

شاہِ یمن تبان اسعد کلیکرب نے آپ کی ولادت پاک سے ایک ہزار سال قبل اس وقت کرائی تھی کہ جب کسی مہم کے سلسلے میں ان کا گزر اپنے لشکر کے ہمراہ مدینہ منورہ سے ہوا تھا، مدینہ میں قیام کے بعد جب روانہ ہونے کا وقت آیا تو چار سو علما کی جماعت نے جو ان کے ہمراہ تھی، بصد احترام مدینہ میں قیام کی اجازت چاہی، بادشاہ نے سبب دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہماری مذہبی کتب میں جس نبی کا ذکر ہے، جو محمد ﷺ اور احمد ﷺ کے نام نامی سے پہچانا جائے گا، یہ نبی صادق اسی مقدس شہر میں ہجرت کرے گا اور یہیں ان کا قیام ہوگا، ہم اس مقام پر اس لیے رہنا چاہتے ہیں کہ شاید وہ زمانہ یہی ہو، شاید ہم ان سے ملاقات کی سعادت حاصل کر پائیں، ان پر ایمان لاکر ہم دین و دنیا میں سرخرو ہوسکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا زمانہ ہمیں نصیب نہ ہو لیکن، ہماری نسل در نسل میں سے ہی کسی کو ان کا زمانہ پا جانے کا شرف حاصل ہوجائے اور وہ ان پر ایمان لے آئے تو ہم جانیں گے کہ ہماری عاقبت سنور گئی۔ بادشاہ جو مبہوت ہوکر یہ تمام واقعہ سن رہا تھا اور اپنے علما کے علم و فضل کا معترف بھی تھا، اس نے فی الفور یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی یہیں رہ کر اس نبی صادق کا انتظار کرے گا۔ بادشاہ کے حکم سے چار سو مکانات کی تعمیر کا حکم دیا گیا، چار سو کنیزوں سے ان علما کا نکاح کیا گیا اور گزارے کے لیے خطیر رقم بھی عنایت کی گئی۔ بادشاہ نے حضور پاک ﷺ کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا اسے سونے سے سربمہر کیا اور اپنے سب سے اہم عالم کے سپرد کیا کہ اس خط کو حضور پاک ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جائے اور اگر وہ ان کا زمانہ نہیں پاتا تو نسل در نسل وصیت کرجائے کہ جس کو بھی وہ مبارک عہد دیکھنا نصیب ہو وہ حضور اکرم کی خدمت میں یہ خط ضرور پیش کرے۔ خط کا مضمون کچھ یوں تھا۔

اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ ﷺ پر آپ ﷺ کی کتاب پر ایمان لایا۔ میں نے آپ ﷺ کا دین برحق قبول کیا۔ اگر مجھے آپ ﷺ کی زیارت نصیب ہو جائے تو یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ اگر مجھے زیارت نصیب نہ ہو سکی تو آپ ﷺ روز حشر میری شفاعت ضرور فرمائیں اگر میری زندگی نے وفا کی اور میں نے آپ ﷺ کا عہد مبارک پا لیا تو میں آپ ﷺ کا وزیر بنوں گا اور تلوار لے کر آپ ﷺ کے دشمنوں سے مقابلہ کروں گا۔

شاہ یمن کے انتقال کے کوئی ایک ہزار سال بعد آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں تریپن سال کی عمر میں اہلِ مکہ کے روّیے سے دلبر داشتہ ہو کر اس شہرِ مقدس کا رخ کرتے ہیں جو آپ کے لیے مقدر کر دیا گیا تھا، آپ کی آمد پر اہل مدینہ بے حد خوش ہیں لیکن سوچ میں پڑ جاتے ہیں اور مشاورت کے بعد فیصلہ کیا جاتا ہے۔قبیلہ انصار کی ایک نہایت ذکی و فہیم اور معزز شخصیت ابو لیلیٰ کو وہ تاریخی اور نہایت اہم خط دیا جاتا ہے۔ وہ اس خط کو اپنے ساز و سامان میں نہایت احتیاط سے سے چھپا کر رکھتے ہیں، جب ابو لیلیٰ آپ کی خدمت اقدس میں پہنچتے ہیں۔ آپ ﷺ اسے دیکھ کر فرماتے ہیں۔تم ابو لیلیٰ ہو، وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں تمھارے پاس میری ایک امانت ہے، میں شاہ یمن کے خط کا منتظر ہوں۔ ابو لیلیٰ یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں، بے ساختہ ان کے منہ سے نکلتا ہے کہ آپ جادوگر تو نہیں، آپ ﷺ مسکراتے ہیں، نہیں میں محمد رسول اللہ ہوں۔ابو لیلیٰ اپنے سامان میں چھپایا ہوا خط نکال کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔آپ حضرت ابو بکر صدیق سے خط پڑھواتے

ہیں اور ابو لیلیٰ کو نہایت عزت وتکریم سے خوش آمدید کہتے ہیں۔

تو حضرت ابو ایوب انصاری کا مکان کوئی عام گھر نہ تھا۔حضرت ابو ایوب انصاری اسی عظیم عالم کی اولاد میں سے تھے، اس مکان کو ایک ہزار سال پہلے شاہ یمن نے آپ ﷺ کے لیے تعمیر کرایا تھا اور حضرت ابو ایوب انصاری اوران کے آباؤ اجداد صدیوں سے اس کی حفاظت پر معمور تھے۔ یہ وہ گھر ہے کہ جہاں حضرت جبرائیل اکثر وپیشتر وحی لایا کرتے تھے، جہاں قرآن پاک کا ایک بڑا حصہ نازل ہوا۔

آپ ﷺ کی ہجرت مدینہ کے وقت اس مکان کے سامنے ایک قطعہ زمین دو یتیم بچوں کی ملکیت تھا، آپ ﷺ نے وہ خرید لیا اور درخت کاٹ کر زمین ہموار کی گئی ۔مسجد کی بنیاد آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی ۔صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپ نے تعمیر کا کام جاری رکھا۔شمال کی جانب قبلہ کا رخ تھا۔۲ ہجری میں اس کا رخ تحویل قبلہ کا حکم آتے ہی کعبۃ اللہ کی طرف کر دیا گیا۔ دس سال تک آپ ﷺ نے اس کچی مسجد میں امامت کرائی ۔فتح خیبر کے بعد حضورؐ نے اس میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر توسیع کرائی ۔ بعد از اں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، ولید بن عبدالملک، مہدی العباسی، سلطان اشرف قائت بائی، سلطان عبدالمجید عثمانی، شاہ الملک السعود اور شاہ فہد بن عبدالعزیز کے عہد میں اس کی توسیع ہوتی رہی۔

مسجد نبوی کا قدیم حصہ ترک سلاطین کی انتہائی محبت اور عقیدت کی یادگار ہے۔ ترک سلاطین نے آپ ﷺ سے وابستہ ہر یاد کو محفوظ کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کا اعلان فرمایا۔

''اس مقدس تعمیر کے لیے عمارت سازی کے علوم فنون کے ماہرین درکار ہیں......
یہ سننا تھا کہ ہندوستان، افغانستان، چین، وسطی ایشیا، ایران، عراق، شام، مصر، یونان، شمالی اور وسطی افریقہ کے اسلامی خطوں سے نقش نویس، معمار، سنگ تراش، نقاش، خطاط، پچی کار، ماہرین طبقات الارض، چھتوں اور سائبانوں کو ہوا میں معلق کرنے والے، رنگ ساز اور رنگ شناس، ماہرین فلکیات، ہواؤں پر عمارتوں کی دھار بٹھانے والے، نہ جانے کیسے کیسے عیاں اور نہاں فنون کے ماہرین، استاذانِ فن اور پیشہ ور ہنر مندوں نے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے اپنے اہل و عیال کو سمیٹا اور اس نورانی مقصد کی خاطر قسطنطنیہ کی جانب چل پڑے۔

حکومت نے قسطنطنیہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک کشادہ اور حسین بستی بسائی۔ جب یکتائے روزگار اہل فن کے قافلے پہنچنا شروع ہوئے تو انھیں شاہی انتظامات کے تحت الگ الگ بستیوں اور محلوں میں آباد کیا گیا اور ان کی ہمہ پہلو کفالت کے لیے خود حکومت نے ذمہ داری اٹھائی ......اس عمل میں پندرہ سال لگ گئے۔

جب اپنے وقت کے عظیم ترین فنکار جمع ہو چکے تو سلطان خود اس نئی بستی میں گئے اور خاندانی سربراہوں کا اجلاس طلب کر کے منصوبے کے دوسرے مرحلے کا اعلان کیا۔ وہ یہ تھا کہ ہر صاحب فن اپنے ہونہار فرزند یا قابل ترین شاگرد کا خود انتخاب کرے اور اس کے جوان ہونے تک اپنا مکمل فن اس کو سکھا دے۔ حکومت نے یہ ذمہ لیا کہ وہ اس تربیتی عرصے میں ہر بچے کو قرآن پاک کا حافظ بنائے گی اور شاہسواری سکھائے گی ...... اس تمام تعلیم و تربیت کے لیے پچیس (۲۵) سال کا عرصہ مقرر کیا گیا۔

اس منصوبے پر محنت ومحبت اور صبر وحیرت کے ساتھ عمل شروع ہوا۔ پچیس سال گزر گئے۔ ان انوکھے ہنرمندوں کی ایک نئی اور اعلیٰ صلاحیتوں والی جماعت تیار ہوگئی، جس کے افراد علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھنے اور فن میں اتھارٹی ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی تھے۔ انھیں بچپن سے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ انھیں اپنے پیارے رسول ﷺ کی عرش نشاں مسجد کی تعمیر کے لیے ان نادر خطوط پر تیار کیا جارہا ہے۔

شعبہ کان کنی کے ماہرین نے خالص اور عمدہ پتھروں کی بالکل نئی کانیں دریافت کیں، جن سے اس مقصد کی خاطر پتھر حاصل کرنے کے بعد ان کو بند کر دیا گیا۔ ان کانوں کے جائے وقوع کو بھی صیغہ راز میں رکھا گیا تاکہ مسجد نبوی میں استعمال ہونے والے پتھروں کی جگہ سے کوئی شخص دیگر مقاصد کے لیے پتھر حاصل نہ کر سکے۔ بالکل نئے اور ان چھوئے جنگل دریافت کیے گئے اور انھیں کاٹ کر ان کی لکڑی کو بیس برس تک حجاز کی آب وہوا میں موسمایا گیا۔ رنگ سازوں نے عالم اسلام میں اگنے والے درختوں اور پودوں سے طرح طرح کے رنگ حاصل کیے۔ شیشہ گروں نے شیشہ سازی کے لیے ریگِ حجاز کو استعمال کیا۔ خطاطی کے لیے دریائے نیل کے کنارے قلم اگائے گئے۔ یہ سارا سامان مدینہ طیبہ سے بارہ میل دور اس نئی بستی میں پہنچایا گیا، جہاں اہل ہنر کی رہائش گاہیں اور ورکشاپیں بنائی گئی تھیں۔

جب سارا سامان اپنی خام شکل میں اس بستی کے اندر پہنچ گیا تو پانچ سو کے لگ بھگ ہنرمندوں نے بھی اس بستی میں سکونت اختیار کر لی، پھر ایک ساعتِ سعید میں مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ اہل ہنر کو ہدایت تھی کہ وہ تعمیر کے دوران میں باوضو اور تلاوت میں

مصروف رہیں، کسی قسم کی دنیاوی گفتگو نہ کریں۔ اس طرح صبر و محبت کے ساتھ اس حیرت انگیز اور انوکھی تعمیر کا سلسلہ پندرہ برس تک جاری رہا۔ آخر وہ روز سعید آ پہنچا جب اس کی تعمیر اختتام کو پہنچی اور اس کے فلک بوس میناروں سے اذان کے ساتھ اس کی تکمیل کا اعلان ہوا''......(مسجد نبوی، مولانا محمد معراج الاسلام، صفحہ نمبر ۱۶۶ تا ۱۶۹)

موجودہ مسجد نبوی شاہ عبدالعزیز کی ذاتی دلچسپی اور حضورؐ سے والہانہ عشق کا منہ بولتا ثبوت ہے جو خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور میں مکمل ہوا۔اس سے پہلے مسجد کا کل رقبہ ۱۶ ہزار ۵ سو مربع میٹر تھا اور ۲۸ ہزار نمازیوں کی گنجائش تھی۔ اب تعمیری رقبہ پانچ گنا زیادہ یعنی ۹۸ ہزار ۵ سو مربع میٹر ہے۔ حج اور رمضان المبارک میں نمازیوں کی تعداد دس لاکھ سے تجاوز کر جاتی ہے۔

شدید سردی تھی، ہم وفورِ شوق میں اس طرف دھیان دیے بغیر نکل آئے تھے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہاں مرد و زن کے لیے علیحدہ حصے ہیں۔ چنانچہ ہم خواتین عورتوں کے حصے کی جانب گئیں، دیکھا کہ اس سردی میں خواتین باہر صحن مسجد میں مصلے بچھائے عبادت میں مصروف ہیں۔ حیرت ہوئی کہ یہ مسجد میں کیوں نہیں جاتیں۔ ہم اندر جانے کے لیے دروازے کی جانب بڑھے، زیرِلب دعا جاری تھی......

''یا اللہ درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پر اور ان کی آل پاک پر۔ یا اللہ میرے گناہوں کو بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اے اللہ آج کے دن تیری طرف متوجہ ہونے والوں میں مجھے سب سے زیادہ متوجہ ہونے والا بنا لے۔ تیرا قرب حاصل ہونے والوں میں مجھے سب سے زیادہ قریب بنا لے اور زیادہ کامیاب

کر ان میں سے جنھوں نے تجھ سے دعا کی اور اپنی مرادیں مانگیں۔''

دروازے پر بھی بے شمار خواتین بیٹھی تھیں۔شرطیوں نے ہمیں نہ روکا۔ہم راستہ بناتے اندر چلتے گئے۔ایک اور ہی جہاں آباد تھا۔دور حدِ نظر تک ستون ہی ستون تھے اور تہجد کے وقت خواتین کا بے پناہ رش۔ہمیں محسوس ہوا ہم میلوں چلتے چلے گئے، لیکن ایک متنفس کے لیے گنجائش نہیں، واپس ہوئے تو بڑی مشکل سے دہلیز پر جگہ ملی، اپنی قسمت پر رشک آیا، درِ نبی کی چوکھٹ اور ہم گناہ گار، درست ہے میرا مولا جسے چاہے نواز دے۔

تحیۃ المسجد اور تہجد کے نوافل انتہائی ٹھنڈے فرش پر پڑھے کہ جائے نماز نہ لائے تھے۔حمیرا نے درِ نبی کو چھونے کے لیے کہا تھا، اس کی طرف سے بار بار چھوا اور اپنی تسکین کا سامان بہم کیا۔فجر کا وقت ہوا۔

درِ نبی آرزوؤں کی تکمیل کا مرکز ہے۔جب سے حج کے ارادے سے حرم پاک آئے تھے، خواہش تھی کہ کسی نماز میں امام صاحب سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کریں اور یہاں فجر کی نماز، مسجد نبوی کی پہلی ہی نماز میں سورۃ الرحمٰن کی وجد آفریں تلاوت نے اشک بار کر دیا۔سورۃ الرحمٰن کے فضائل، اس کی نغمگی، اس کے تاثر، حسن قرات نے اس یخ بستہ سحر کو عمر عزیز کے بہترین لمحوں میں کر دیا۔

اشراق کے نوافل ادا کرنے کے بعد گھر آئے۔ظہر کی نماز کے لیے گیارہ بجے روانہ ہوئے، ساڑھے بارہ بجے نماز ہوتی ہے۔دو بجے سے تین بجے تک روضہء رسول خواتین کے لیے کھلتا ہے۔خواتین نماز کے فوراً بعد ہی اس چادر کی دیوار کے سامنے اکٹھا ہونا شروع ہو جاتی ہیں، جہاں روضہء رسول ہے۔شرطے کبھی بائیں جانب سے دروازہ کھولتے

ہیں تو کبھی دائیں جانب سے، اور پھر خواتین انتہائی تیزی سے اس طرف لپکتی ہیں۔

درود و سلام پڑھتے ہوئے ہم بھی کشاں کشاں اس سیلاب عاشقاں میں بہتے چلے گئے۔ کتنی حیرت انگیز بات ہے، آپ دنیا کے کسی خطے میں ہی کیوں نہ ہوں، جب آپ نبی ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہیں، تو ان کے جسم میں روح لوٹا دی جاتی ہے اور وہ آپ کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور خوش نصیبی کیا ہوگی کہ نبی اکرم ﷺ نے خود آپ کو سلامتی کی دعا دی۔ اب ہم ان کے روضہء اقدس کے قریب ہیں، خود کو ان کے بے حد قریب محسوس کر رہے ہیں۔ بھیڑ اس قدر تھی کہ اپنے قدموں کو دیکھنے کی گنجائش نہ تھی، نیچے دیکھنا اس لیے ضروری تھا کہ کہیں ہمارے قدموں تلے سفید قالین تو نہیں؟

مسجد نبوی میں سرخ قالین بچھے ہیں لیکن وہ مقام کہ ریاض الجنتہ کہیں جسے، اس کی نشان دہی سفید قالینوں سے کی گئی ہے۔ زمین پر جنت کے اس ٹکڑے کا طول بائیس میٹر اور عرض پندرہ میٹر ہے۔ اللہ نے اپنے محبوب کے لیے جنت کا یہ ٹکڑا زمین پر اتارا اور قیامت کے دن اسے واپس جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔ اس کی نشان دہی خود رسول پاک ﷺ نے کی کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کا ٹکڑا ہے۔ جیسے ہی معلوم ہوا میرے قدم ریاض الجنتہ میں ہیں، بغیر سوچے سمجھے جلدی سے دو نفل نماز کی نیت کر لی، دائیں اور بائیں جانب سے دھکے بہت لگ رہے تھے، رکوع و سجود کی کوئی جگہ نہ تھی، وقت آیا تو بڑی مشکل سے رکوع و سجود کیے، نماز کا کچھ مزہ نہ آیا۔ اس عبادت پر بھاگتے چور کی لنگوٹی والی مثال یاد آئی تو مزید شرمندگی ہوئی لیکن اللہ اور اس کا نبی ﷺ اپنے در پر بلا کر بندے کی ہر خواہش پوری کرنے کا ذمہ لیتے ہیں۔ دو چار لمحوں میں ہی اندازہ ہو گیا کہ ترک خواتین کسی

ایک ستون کو اپنے قبضے میں کر لیتی ہیں اور تین چار خواتین اس ستون کے گرد گھیرا بنا کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور باری باری قدرے اطمینان سے نوافل ادا کر لیتی ہیں، چنانچہ ہم نے بھی ایسا ہی کیا اور نسبتاً بہتر انداز میں نفل ادا کیے۔ اس جگہ نوافل ادا کرنا نہایت جان جوکھوں کا کام ہے، کوئی پتہ نہیں کہ کب انسانی ریلا آئے اور آپ کو کچل کر نکل جائے۔ بہر حال سب کے لیے دعائیں کیں۔

جناب احسان اکبر نے اپنی آٹھ دس نعتیں خطِ شکستہ میں لکھی ہوئی شاہد کو دی تھیں کہ روضہء رسول پر پڑھی جائیں۔ ایسی ہی آٹھ دس نعتیں جناب راحت منیر کو بھی عنایت کی تھیں۔ وہاں یہ عالم کہ انسان کو اپنا ہوش نہیں، لب پر درود اور دعائیں، آنکھوں سے اشک رواں، ایسے میں یہ وعدہ پورا کرنا کیسے ممکن ہے۔ اس کا حل ہم نے یہ نکالا کہ جتنی نعتیں انھوں نے دی تھیں، جس کا ایک ایک شعر پڑھنے کے لیے کافی وقت اور محنت درکار تھی، اتنی دفعہ جناب احسان اکبر کی جانب سے خدمت اقدس ﷺ میں درود شریف پیش کر دیا گیا۔ جناب احسان اکبر نے جہازی سائز کا ایک قرآن شریف بھی حرم پاک میں رکھنے کے لیے دیا تھا، کتنی دقتوں اور رکاوٹوں کے بعد ہم وہ قرآن پاک مکہ لانے اور حرم پاک میں رکھنے میں کامیاب ہوئے۔

حرمِ پاک میں اذان کے فوراً بعد مشکل سے سنت نماز پڑھی جاتی ہے کہ امام صاحب فرض نماز شروع کر دیتے ہیں، جب کہ یہاں مسجدِ نبوی میں کافی دیر بعد، حتیٰ کہ مغرب کی نماز بھی اذان کے دس پندرہ منٹ کے بعد ادا کی جاتی ہے۔

ہفتہ کے روز نمازِ فجر کے بعد دیارِ نبی کی زیارتوں پر جانے کا پروگرام بنا۔ بس

زائرین کودس ریال فی کس کے حساب سے لے گئی۔ مسجد بلال، پھر مسجد جمعہ گئے۔ بنی سالم کے محلے میں قائم اس مسجد میں آپ ﷺ نے جمعہ کی پہلی نماز ادا فرمائی اور خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔ یہ مسجد، مسجد عاتکہ اور مسجد وادی بھی کہلاتی ہے۔

پھر مسجد قبا گئے، اسلام کی پہلی مسجد، مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے، مسجد نبوی اور بیت المقدس کے بعد تمام مساجد میں اسے افضل مقام حاصل ہے۔ یاد رہے کہ آج قدیم مدینہ تو سارا مسجد نبوی میں سمٹ آیا ہے، یوں مسجد قبا اب مدینے کی حدود میں ہے۔ یہاں دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے۔ بس کے ڈرائیور نے صرف دس پندرہ منٹ کی مہلت دی، مسجد بھی دیکھنا تھی اور نوافل بھی ادا کرنے تھے، خیر میں نے آٹھ نوافل ادا کیے اور اللہ سے دعا مانگی کہ ابھی مدینہ میں چھ سات روز کا قیام باقی ہے، میرے مولا مجھے اتنی مہلت اور توفیق ضرور عطا کر کہ میں دوبارہ یہاں آؤں اور اپنی مرضی سے نوافل ادا کرسکوں ...... اللہ نے یہ دعا قبول کی اور چار روز بعد میں اور شاہد آئے اور وہاں سکون سے نوافل ادا کیے۔ مسجد کے باہر ٹھنڈی میٹھی کھجوریں جنھیں پاکستان میں ڈوکے کہتے ہیں، بک رہی تھیں، ان کا ذائقہ آج تک زبان پر ہے۔

مسجد سے نکلے تو بس میں موجود افراد انتظار کی کوفت سے دوچار تھے۔ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ بس سے اترے ہی نہیں کہ زیارت کر لی ہے، اب آگے چلیں، اگر ہر جگہ اتنی دیر لگاتے رہے تو ظہر کی نماز مسجد نبوی میں ادا نہ کی جا سکے گی اور چالیس نمازوں کی ادائیگی میں تعطل آ جائے گا۔ انھیں بہت تسلی دی کہ ایسا نہیں ہوگا۔

اس کے بعد خاکِ شفا گئے، دور سے ایک چار دیواری دکھادی گئی کہ یہ خاکِ شفا

ہے۔معلوم ہوا کہ حکومت نے چاردیواری اس لیے بنا دی ہے کہ اگر یہاں سے زائرین خاکِ شفا لے جاتے رہے تو گڑھا بلکہ کنواں بن جائے گا، خاکِ شفا وہ مقام ہے کہ جہاں غزوۂ احد کے بعد حضورﷺ اور ان کے ساتھی شدید زخمی حالت میں پہنچے،تو صحابہ کرام خون بہ جانے کے باعث شدید نقاہت محسوس کررہے تھے،حضورﷺ سے گویا ہوئے،کہ اب اور نہیں چلا جاتا،حضور نے یہ الفاظ سنےتو وہیں سے مٹی اٹھائی اوران کے زخموں پرچھڑک دی۔ وہ مٹی معجزاتی طور پران کے لیے شفابن گئی۔

اس کے بعد مسجد قبلتین گئے ، مدینہ آمد کے سترہ ماہ بعد تک آپ ﷺ بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز ادافر ماتے رہے، آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ قبلہ کا رخ کعبۃ اللہ کی جانب کر دیا جائے ، اس خواہش کے در پردہ یہ عوامل تھے کہ یہود ونصاریٰ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ تمہارا نبی اورتم ہمارےقبلہ کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے ہو جب کہ خودکو دینِ ابراہیمی کے پیروکار کہتے ہو،جن کا قبلہ خانہ کعبہ تھا، اس لیے دینِ اسلام ترک کر کے ہمارے دین میں آجاؤ۔

ظہر کی نماز کی ادائیگی کے دوران میں یہ آیت نازل ہوئی......

’’تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں، لو ہم تمھیں اس قبلے کی طرف پھیر دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو،مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔اب جہاں کہیں بھی تم ہواس کی طرف منہ کر کےنماز پڑھا کرو۔‘‘

چنانچہ نماز کے دوران میں ہی آپﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کرلیا۔ یہ واقعہ اسی مسجد میں رونما ہوا۔مسجد قبلتین میں نوافل کی ادائیگی کے بعد مساجد خمسہ گئے۔

اس کے صرف ایک سال بعد ہی کی بات ہے کہ اپنے قریبی عزیز جناب و بیگم یٰسین حج کے لیے گئے۔ واپسی پر دیگر احوال کے علاوہ یہ خبر بھی سنائی کہ ہمیں تو بس والوں نے ان مساجد کے قریب اترنے بھی نہ دیا، کہ وہاں بلڈوزر چل رہے تھے، اب وہاں اس یادگار میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی جارہی ہے۔

مساجدِ خمسہ غزوہء خندق کی یادگار ہیں۔ خندق کے ساتھ ساتھ مسجدِ فتح، مسجدِ سلمان فارسیؓ، مسجدِ ابو بکر صدیقؓ، مسجدِ عمر فاروقؓ اور مسجدِ علی کرم اللہ وجہہ تعمیر کی گئی ہیں۔ ان مساجد کی صحیح تعداد کے متعلق میں ہمیشہ شش و پنج میں رہی، کیونکہ میں نے وہاں مسجد فاطمہؓ، جو کہ بند تھی، کے دروازے کے سامنے بھی دو نوافل ادا کیے تھے۔ اس طرح تو ان کی تعداد چھے ہوگئی۔ حج سے واپسی کے بعد اب تک یہی لگن ہے کہ حج سے متعلق جو تحریر بھی رسائی میں ہو، اسے پڑھ لوں۔ پچھلے دنوں جناب افتخار احمد قادری کی کتاب ''دیارِ حبیب'' دیکھ رہی تھی اس میں بھی ان مساجد کی تعداد کے متعلق یہی مسئلہ درپیش تھا، آپ لکھتے ہیں۔

''تمام مورخین نے اس مقام پر چار مساجد کا ذکر کیا ہے لیکن ۱۹۴۷ء کے نقشے کے مطابق اس مقام پر چھ مساجد کا ذکر ملتا ہے جن کے اسمائے مبارکہ اور ترتیب کچھ اس طرح سے ہے۔ مسجدِ فتح، مسجدِ سیدنا سلمان فارسی، ، مسجدِ سیدنا علی، مسجدِ سیدنا عمر الفاروق، مسجد سیدنا سعد بن معاذؓ مسجد سیدنا ابو بکر، لیکن ان میں مسجد سیدتنا فاطمہ الزہرہؓ کا کہیں ذکر نہیں ہے......

مختلف محققین کے نزدیک ان مساجد کے ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے، مساجد کے اس سلسلے کو پہلے مساجد الفتح کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، چودھویں صدی ہجری میں انھیں سبعتہ مساجد، اس کے کچھ عرصہ بعد ستہ مساجد اور بعد ازاں مساجدِ خمسہ کا نام سے یاد کیا

جانے لگا۔''

خندق کی جگہ اب سڑک بن گئی ہے ۔غزوہ خندق ایک ماہ جاری رہا، اس اعصاب شکن ماحول میں ایک رات ایسی آندھی آئی کہ کفار کے خیمے الٹ گئے ۔ سامان خورد ونوش آندھی کی نذر ہوگیا، کفار جو پہلے ہی سخت بد دل ہو چکے تھے، وہاں سے نہایت مایوسی کے عالم میں واپس ہوئے ۔ اس جنگ کا مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوا کہ پورے عرب میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور کفار جان گئے کہ مسلمان اپنے جذبہ ایمانی کی بدولت کفار سے کہیں طاقت ورقوم ہے۔ ان تمام مساجد میں نوافل ادا کیے ۔

مسجد سقیا کی زیارت بھی ہمارے پروگرام میں شامل تھی، لیکن ہماری ایک ہی مجبوری، ہمارے کچھ ساتھی زائرین بس سے اترنا بھی نہ چاہتے تھے۔

میدان احد پہنچے، بعض ساتھی دس بجے سے ہی بار بار نماز کے قضا ہو جانے کا واویلا مچا رہے تھے، انھیں بہت سمجھایا کہ اگر ہم یہاں ڈیڑھ گھنٹہ بھی لگا لیتے ہیں تو بھی انشا اللہ ساڑھے بارہ سے کہیں پہلے مسجد نبوی پہنچ جائیں گے، لیکن میدانِ احد پہنچ کر وہ خاص طور سے شاہد سے مخاطب ہوئے کہ آپ دس منٹ کے اندر واپس آ جائیں ۔

میدانِ احد وہ مقام ہے کہ جہاں کفار مکہ، جنگ بدر میں ناکامی کے بعد اپنے عزیز و اقارب کے مارے جانے کا انتقام لینے کے لیے سال بھر کی جنگی تیاریوں کے ساتھ، مسلمانوں سے معرکہ آرا ہوئے ۔ کفار میدانِ احد کے قریب وادی قناۃ کے قریب قیام پذیر ہوئے ۔ سات سو مجاہدین نے احد پہاڑ کی گھاٹی میں خیمے لگائے، حضور ﷺ نے لشکر بندی کی کہ پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں وادی قناۃ میں ایک

پہاڑی ٹیلہ پرمقرر فرمایا، اس پہاڑی کو چشموں کی موجودگی کے سبب جبل عینین بھی کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ہدایت کی کہ فتح ہو یا شکست، کسی صورت پہاڑی سے نہ ہلنا، شدید لڑائی کے دوران میں کفار کے نامی گرامی پہلوان اور سپہ سالار مارے گئے۔ اسلامی لشکر حاوی ہوا۔ کفار کی پسپائی اور اسلامی لشکر کے تعاقب کے منظر نے پہاڑ کی چوٹی پر متعین دستے کو فتح کا یقین دلا دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی صدا کی پروا کیے بغیر یہ دستہ مال غنیمت سمیٹنے کے لیے نیچے اتر آیا، خالد بن ولید نے موقع غنیمت جانا اور پشت پر سے بھرپور وار کیا، بھاگتے ہوئے مشرکین نے یہ منظر دیکھا تو وہ پلٹ آئے، مسلمان سخت انتشار کا شکار ہوئے، حتیٰ کہ مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے رہے، حضرت مصعبؓ ہم شکل رسول، کی شہادت نے اور غضب ڈھایا، ہر طرف شور مچ گیا کہ رسول اکرم ﷺ شہید ہو گئے۔ سراسیمگی اور بڑھی، اسی اثنا میں حضرت کعبؓ نے آپ ﷺ کو زندہ پا کر نعرہ بلند کیا، کفار کے حملے میں اور شدت پیدا ہوئی، حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے، نچلا ہونٹ پھٹ گیا، کندھے پر تلوار کا ایسا وار پڑا کہ آپ ایک ماہ تک تکلیف میں رہے۔

ہمارے وہ ساتھی جو بسوں سے نہ اترے تھے کہ میدان احد تو بس میں بیٹھ کر بھی دیکھا جا سکتا ہے، اکتا چکے تھے، شاہد نے کافی مطالعہ کر رکھا تھا، انھیں ایک ایک چیز دیکھنے کا شوق تھا، ہم تیزی سے میدان احد اور اس کے گردونواح میں پھر آئے۔

کہا جاتا ہے کہ اسی پہاڑ پر حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارونؑ کی قبر ہے۔

میں اور شاہد تیر اندازوں والے ٹیلے پر بھی چڑھے، جبل احد پر سے کوئی پتا، کانٹا یا جڑ چبانا حکم رسول ﷺ ہے......

''تم احد پر آ ؤ تو اس کے درخت سے کچھ کھاؤ، اگر چہ کانٹے والا ہی کیوں نہ ہو۔''
بہت تلاش کیا پھر ہلے پہاڑ تک ہو آئی بہر حال ایک تنکا سا ہی منہ میں ڈال کر چبایا۔

سرخ مٹی والا احد پہاڑ اگر چہ سبزے اور روئیدگی سے بالکل محروم ہے لیکن پھر بھی اس کے متعلق حضور پاک نے فرمایا کہ یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ احد سے رخصت ہونے لگے تو پہاڑ بھی آپ کی جانب کھسکنے لگا اور آپ ﷺ کے دلا سا دینے پر رک گیا۔

میدان احد میں ایک چاردیواری کے اندر حضرت امیر حمزہؓ اور صحابہ کرام کی قبریں موجود ہیں۔قبروں کا تو نام ونشان نہیں، ایک چٹیل میدان ہے جہاں مختلف مقامات پر پتھر رکھ کر قبروں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ دیوار میں بنی جالیوں سے قبور کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھی، میدان احد کے وہ مقامات، قبہ ثنایا اور غار کہ جہاں آپ ﷺ نے زخمی ہونے کے بعد بیٹھ کر نماز کی امامت فرمائی اور مجاہدین نے بیٹھ کر نماز ادا کی، مکان عشرہ مبشرہ کی زیارت بھی ہماری فہرست میں شامل تھی، لیکن شنوائی نہ ہوئی، یہ مکان دس صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، ابوعبیدہؓ بن الجراح، سعیدؓ بن زید، طلحہؓ بن عبیداللہ، اور زبیرؓ بن عوام کے حوالے سے محترم ہے۔

بس میں کان لپیٹے داخل ہوئے، مسجد نبوی پہنچے تو ابھی ساڑھے گیارہ بھی نہ بجے

تھے ۔ظہر کی نماز کے بعد گھر آ گئے، کھانا کھایا، کچھ دیر آرام کیا، مسجد نبوی پہنچے تو زیارتِ روضہ رسول ﷺ کا وقت ختم ہو چکا تھا، مسجد نبوی میں سبھی اپنی اپنی عبادتوں میں مصروف تھے، اچانک بیگم صبیحہ منیر کہنے لگیں ۔

''طاہرہ میں خاص طور سے آپ سے یہ بات کہہ رہی ہوں، ہم روضہ ءپاک کی زیارت کر چکے، نوافل بھی ادا کر لیے، اب آپ وہاں نہیں جائیں گی، وہاں سے زندہ سلامت نکل آنا کتنا مشکل ہے ۔''

میں نے انھیں اشارے سے کہا کہ یہ تسبیح پڑھ لوں، پھر آپ کی بات کا جواب دیتی ہوں، دومنٹ بعد میں نے انھیں کہا۔

''اگر اجازت ہوتو میں آپ کو اپنی وہ سوچ بتا دوں، جو بالکل اس وقت میرے ذہن میں تھی، جب آپ نے مجھے تنبیہ کی''

کہنے لگیں ۔''کیا''

میں نے کہا

''میں سوچ رہی تھی کہ آج روضہ ءرسول ﷺ کی زیات نہ کر سکے تھے،کل دو مرتبہ کروں گی''......اور پھر یہی ہوا کہ اگلے دن اشراق اورظہر کے بعد دومرتبہ یہ سعادت ملی اورنوافل ادا کیے۔

حقیقت یہ ہے کہ روضہ ءرسول ﷺ پہنچ کر بھی ہم مزار اقدس کے دیدار سے محروم رہتے ہیں، روضہ ءپاک کے سامنے لکڑی یا سفید چادر کی دیواریں تان دی جاتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے عورتوں کے لیے قبور کی زیارت ممنوع قرار دی ہے ۔روضہ ءرسول

ﷺ کے سامنے پیتل کی تین جالیاں ہیں درمیان والی جالی کومواجہ شریف کہتے ہیں جس میں تین سوراخ ہیں، بائیں طرف بڑے سوراخ کے سامنے نبی پاک ﷺ کا چہرہ مبارک ہے، درمیان والے سوراخ کے مقابل حضرت ابو بکر صدیقؓ اور اس سے ایک قدم دائیں طرف والے سوراخ کے سامنے حضرت عمر فاروقؓ کے چہرہ ہائے مبارک ہیں۔

بہر حال ہم آٹھ روز مدینہ منورہ میں رہے، ہر روز روضہ رسول پر حاضری دی۔ ریاض الجنتہ میں نوافل ادا کرتے رہے، دعائیں مانگتے رہے۔ دعائیں اس قدر جلد قبول ہوتی ہیں اس کا اندازہ بھی وہیں جا کر ہوا۔

ثروت باجی اور جاوید بھائی نے خاص طور پر بلاوے کی دعا کے لیے بصد اصرار کہا تھا۔ مجھے ان کے لیے ریاض الجنتہ میں دعا کرنے کا موقع ملا، بلاوا ان کا پہلے بھی آ چکا تھا، دس بارہ برس پہلے وہ اس دیارِ مقدس سے ہو آئے تھے لیکن کیسے، کن حالات میں، بلاوا ہو تو راستے کے سارے خارِ ببول، پھول ہو جاتے ہیں۔ ان کی روداد حج مختصراً جاوید بھائی کے الفاظ میں ہی نہ سنا دوں۔

''جب مجھے میرے ادارے کی جانب سے ترکی جانے کی پیش کش ہوئی تو میں نے اسے بلا تامل قبول کر لیا۔ سیر وسفر کے شوق میں ہم نے تیاری شروع کر دی۔ کراچی کا موسم انتہائی گرم ہوتا ہے اور سردی آتی بھی ہے تو صرف اپنا تعارف کرانے کے لیے......اور ابھی تعارف مکمل بھی نہیں ہو پاتا کہ وہ رخصت ہو جاتی ہے۔ ہم گرم کپڑوں اور ضروری سامان کی خریداری میں مصروف تھے......میرے اندر ایک خواہش بہت شدت سے جڑ پکڑتی جا رہی تھی ...... میں ترکی جاؤں اور وہاں نہ جاؤں جہاں جانے کے لیے میری روح کب سے

تڑپ رہی ہے۔

میں نے اس خواہش کا اظہار کسی سے نہ کیا۔صرف وہی جانتا تھا جو دل کے نہاں خانوں میں چھپی ہر بات کا گواہ ہے اور ہر درد کا مداوا اور ہر آرزو کی تکمیل کرنے والا ہے...... ترکی سے واپسی پر مجھے حج کرنا ہے......

ترکی میں قیام کا دو سالہ عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا اور اب وہ وقت آ گیا تھا کہ جب مجھے وطن واپسی کے لیے رخت سفر باندھنا تھا، بڑے بیٹے بلال کو کہ اس کی تعلیم میں کہیں رکاوٹ نہ آئے، اس خدشے کے تحت ایک سال پہلے کراچی بھیج چکا تھا، چھوٹے دونوں بیٹے طلال اور فہد میرے ہمراہ تھے، مئی میں مجھے ترکی چھوڑنا تھا، حج جون کے مہینے میں تھا، میں نے اپنے ادارے کے سربراہ سے خواہش ظاہر کی کہ میں جون میں ہونے والے اہم سیمینار میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔میری درخواست مان لی گئی، یوں مجھے ایک ماہ قیام کی بخوشی اجازت مل گئی، شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی میرے ادارے کے سربراہ اور میرے ساتھی چاہتے تھے کہ میں اپنی مدت قیام میں ایک دو سال کی توسیع کروالوں لیکن مجھے میرے وطن کی خوشبو کھینچتی تھی، وہ حیران تھے کہ جو آتا ہے وہ جانا نہیں چاہتا اور شاہد جاوید اتنی سہولتوں کے باوجود کیوں رکنا نہیں چاہتا......

یہ تمام کام اپریل میں ہوا تھا۔مئی میں، میں نے اپنی اور اہلیہ کی نشست کی بکنگ ۱۳ جون کے لیے کراچی براستہ جدہ مخصوص کروائی اور دونوں بیٹوں کے لیے استنبول سے کراچی بذریعہ ایرلئس نشستیں مخصوص کروائیں۔جون کی پانچ تا سات تاریخ، بہت زبردست سیمینار ہوا،۔۱۲ جون کو میں اور رفاقت بچوں کو چھوڑنے ایرپورٹ گئے تاکہ انھیں اپنی نگرانی میں

کراچی کے لیے روانہ کرسکیں پھر بچوں کے پاس سامان بھی ممکنہ حد سے زیادہ تھا، اپنا اور ثروت کا پاسپورٹ اور ٹکٹ بھی لے لیا کہ ائرپورٹ کے اندر جانے میں آسانی ہوگی۔

جب ہم بچوں کی بورڈنگ کا انتظام کررہے تھے، میں نے دیکھا کہ حاجیوں کی ایک قطار پُرجوش تمتماتے چہروں کے ساتھ احرام کے مقدس لبادے میں ملبوس زیرِلب اور کبھی کبھی بلند آواز سے لبیک الّھم البیک کے روح پرور کلمات دہراتی اور اپنے کاغذات چیک کراتی گزر رہی ہے۔ عازمین حج کو اپنے اتنے قریب دیکھ کران کا جذبہ دیکھ کر میں ایک انوکھے احساس سے سرشار ہوا ''کل میں اور ثروت بھی اس جگہ کھڑے ہوں گے۔''

یہ تصورشوق و وارفتگی کے عالم کو بڑھاتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم، کس جذبے کے تحت میرے قدم خود بخود حج کاؤنٹر کی طرف اٹھتے گئے، میری جیب میں سعودیہ ایرلائنز کے کل کے ٹکٹ موجود تھے، میں نے اس کاؤنٹر کے دوسری طرف کھڑے کارکنوں کو بتایا کہ کل میں بھی اسی جگہ اسی لائن میں احرام پہنے کاغذات چیک کروارہا ہوں گا تاکہ جدہ کے سفر کی اجازت حاصل کرسکوں۔ میری بات سن کران کے چہروں پر کچھ عجیب سے تاثرات آئے، میں نے توجہ نہ دی، وہ کہنے لگے۔

''اپنا ٹکٹ اور پاسپورٹ دکھائیں۔''

میں نے بڑے شوق سے دونوں چیزیں ان کے حوالے کیں، انھوں نے کہا کہ وہ ان دوافراد کے منتظر تھے، جنھوں نے استنبول سے جدہ جانا تھا اور واپس استنبول نہیں آنا تھا۔ اس سال ''حج اکبر'' کا اعلان ہو چکا ہے، فلائٹ شیڈول میں کچھ تبدیلی ہوچکی ہے اور آج کی فلائٹ استنبول سے حاجیوں کو لے جانے والی آخری فلائٹ ہے جس کی روانگی میں ڈیڑھ گھنٹا

باقی ہے جو آپ کسی صورت پکڑ نہ سکیں گے، البتہ ایک ٹرکش فلائٹ جدہ جارہی ہے جس میں صرف ایک ہی سیٹ باقی ہے، ہاں پرسر کی ایک سیٹ ہم آپ کو دے سکتے ہیں اس لیے جتنی جلد ممکن ہو ٹیکسی پکڑیں، سامان لے کر اسی ٹیکسی پر واپس ایر پورٹ پہنچیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ آپ کو اس فلائٹ سے جدہ بھجوا سکیں۔

''ہمیں یہ فلائٹ پکڑنی ہے۔''

جسم کا رواں رواں اور ساری فضا اسی بازگشت سے گونج رہی تھی۔ ہم بچوں کو بھول چکے تھے۔ انتہائی برق رفتاری سے گھر پہنچے سامان تو پیک کر ہی چکے تھے کہ کل ہمیں جدہ کے لیے روانہ ہونا ہے، لیکن گھر سمیٹنا باقی تھا۔ کچھ سامان، کچھ تحفے دوستوں کو دینے تھے، لیکن اب کسی چیز کا ہوش نہ تھا، وقت کو پر لگے ہوئے تھے اور ہم نے اپنے قدموں کو پہیے بنالیا تھا۔ ائر پورٹ پہنچے۔ جہاز کی روانگی کا اعلان ہو رہا تھا۔ ہم نے اسے اپنا ٹکٹ پاسپورٹ، کاؤنٹر پر موجود لڑکی کو دکھایا لیکن اسے جانے کی جلدی تھی اور وہ مہربان جنھوں نے مدد کا وعدہ کیا تھا، سعودی ائر لائنز کے کارکن ......جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے ......

کوئی ہمدرد موجود نہ تھا۔ ہم نے اپنا سامان پی آئی اے کے آفس میں امانتاً رکھوایا اور خالی ہاتھ گھر واپس آ گئے۔

کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ رات ہم نے کیسے گزاری ہوگی۔ اگلی صبح میں اس بروکر کے پاس گیا جس نے ہماری بکنگ کی تھی، اس نے معذرت کی کہ چونکہ ہمارا پتہ اس کے پاس موجود نہ تھا اس لیے وہ ہمیں اطلاع نہ دے سکا۔ اس نے مشورہ دیا کہ آپ سعودیہ کونسلیٹ جائیں شاید بات بن جائے، میں الٹے قدموں سعودی کونسلیٹ پہنچا اور وہاں

موجود آفیسر کو روداد غم کہہ سنائی۔

''جب میرے پاس ٹکٹ اور ویزے موجود ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ سعودی ائر لائنز والے مجھے حج کے لیے جدہ لے جانے پر آمادہ نہیں۔''

سعودی ائر لائنز بات کی گئی۔ان کا ایک ہی جواب تھا کہ اس فلائٹ کے بعد کسی حاجی کو لے گئے تو انہیں ۲۵۰۰۰ ریال جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

شواہد اور رویے بتاتے تھے کہ ہم حج پر نہ جا سکیں گے......قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند، دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا۔

''حج اکبر'' ہم اپنی خوش نصیبی پر کتنے نازاں تھے، ہمارے تمام کاغذات، تمام تیاریاں مکمل تھیں ہم ذہنی طور پر تیار تھے، ہم روحانی طور پر ان مقامات مقدسہ سے تعلق قائم کر چکے تھے، لبیک کا ورد ہمارے جذبوں کے لیے مہمیز کا کام دیتا تھا، مگر اب ...... یہ کیا ہو گیا، ایسا نہیں ہونا چاہیے، ......نا امیدی کفر ہے، اللہ مسبب الاسباب ہے، لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا، ہر طرف اندھیرا ہے......

مجھے نہیں معلوم کب میری آنکھوں سے آنسوؤں کا دھارا بہ نکلا، کب میری گریہ و زاری میں شدت پیدا ہوئی ...... یہ دوسری مرتبہ ہوا تھا کہ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلے تھے، پہلی مرتبہ، استنبول میں صحابیء رسول ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری کے مزار پر میری ایسی ہی کیفیت ہوئی تھی جب میں نے آپ ﷺ کے نقش قدم چھوئے تھے۔میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ میں نے ان کے نقش قدم نہیں چھوئے، کسی زندہ ہستی کے پاؤں چھوئے ہیں ...... بے اختیار آنسو جو میری آنکھوں سے رواں

ہوئے تھے شانِ کریمی کو شاید وہ پسند آ گئے، اسی آفیسر نے کہا۔

''میں آپ کو چند ٹیلی فون نمبرز دیتا ہوں آپ سعودیہ ائر لائنز کے آفس جا کر موجود سربراہ سے کہیں کہ وہ سعودی کونسلیٹ کے کونسلیٹ جنرل سے ان نمبرز پر فوری رابطہ کریں۔''

میں نے ٹیکسی پکڑی اور ائر لائن کے دفتر جا پہنچا۔ اور ان کے سربراہ سے کہا کہ وہ فوری طور پر ان نمبروں پر کونسلیٹ جنرل سے رابطہ کریں، انھوں نے میری بات مان لی۔ اسی وقت فون ملایا، کافی دیر بعد لائن ملی، میں انھیں بات کرتے دیکھتا تھا، ہمہ تن گوش تھا اور سربراہ کے منہ سے ایک ہی لفظ بار بار ادا ہوتا تھا...... ''لا لا'' نہیں نہیں ...... اور یہ نہیں نہیں کی تکرار میرے دل کی دھڑکن روکتی تھی، میں سانس لینا بھی بھول گیا تھا۔ آخر کار اس نے فون بند کیا اور میری طرف متوجہ ہوا، میں اس وقت پتھر تھا یا موم مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اس نے کہا

''ویل مسٹر جاوید''

ویل کا لفظ سن کر محسوس ہوا کہ جسم میں جان لوٹ آئی ہے، وہ کہنے لگا۔ ''ہم سوچتے ہیں کہ آپ کو حج کے لیے کیسے بھجوایا جائے، آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ پاکستان کونسلیٹ چلے جائیں وہاں سے ایک خط لے آئیں کہ آپ ان کے ملازم ہیں اور آفیشل ٹرپ پر جدہ جا رہے ہیں۔''

میں نے ان کی بات سنی اور اسی لمحے پاکستان کونسلیٹ روانہ ہوگیا۔ وہاں سے میں نے وہ خط حاصل کیا، کیسے کیا، وہ الگ داستان ہے اور سیدھا سعودی ایمبیسی پہنچا، کاؤنٹر پر موجود صاحب نے خط دیکھنے کے بعد مجھے دو تصویریں اور ویزے دینے کے لیے کہا،

تصاویر میرے پاس موجود نہ تھیں میں نے اسے ویزا فیس دی اور کہا کہ جب میں آپ کے پاس حج ویزا لینے آیا تھا تو تصاویر دے دی تھیں وہ آپ ہی کے پاس ہیں، میرا وزٹ ویزا فکس ہوا،

میں ساڑھے بارہ بجے گھر پہنچا، ہماری فلائٹ کا وقت ڈھائی بجے تھا، اس وقت مرے دفتر کے ساتھی میرے گھر پر میرے منتظر تھے کہ میں کیا خبر لے کر آتا ہوں، سبھی دعا کو تھے کہ ہمیں حج فلائٹ مل جائے۔ کتنی تیزی سے ہم نے سامان اٹھایا۔ انھوں نے کس کس طرح ہماری مدد کی، کب ہمیں گاڑی میں بٹھایا، کب ائر پورٹ پہنچے۔ ہوش اس وقت آیا جب وہ ہمیں گلے لگاتے ہوئے رخصت کر رہے تھے۔ یہ ان کی محبتوں کا حساب لگانے کا وقت نہ تھا۔

ائر پورٹ پہنچتے ہی میں نے غسل کیا، جہاز کی روانگی کا وقت ہو چکا تھا۔ جہاز میں سب سے آخر میں داخل ہونے والے ہم دو ہی تھے، ہم نے جہاز میں بیٹھ کر احرام کے اور دیگر نوافل ادا کیے۔ نوافل سے فارغ ہوا تو یہی احساس دل وجاں کو حصار میں لیے ہوا تھا کہ بلاوا ہو تو کیسے کام ہو جاتا ہے، یہ کام واقعی دنوں بلکہ ہفتوں کا تھا جو گھنٹوں میں ہو گیا تھا۔

صبح سے مجھے کسی چیز کا ہوش نہ تھا بس یہ خیال آتا تھا کہ حج کا بلاوا معصیت سے بھرے بندوں کے لیے نہیں، وہاں جانے کے لیے ظاہر وباطن پاک صاف ہونا چاہیے۔ یہ رکاوٹیں مجھے میری کوتاہیاں یاد دلاتی تھیں اور اب جہاز میں بیٹھ کر احساس ہو رہا ہے کہ ابر رحمت تو گنہگار و پرہیز گار سب پر یکساں برستا ہے...... اللہ بڑا ہے، اللہ بڑا ہے......

لبیک الّٰلھم لبیک کے ساتھ ساتھ اس کی شان قدرت پر یقین اور پختہ ہوتا جا رہا

ہے۔سب کچھ صحیح ہو گیا تھا پھر بھی کبھی کبھی یہ سوچ کر دل دہل جاتا تھا کہ اگر میں ۱۲ تاریخ کو ائرپورٹ پر بات نہ کرتا اور ۱۳ تاریخ کو ائرپورٹ حج پرواز کے لیے آتا تو یہ ممکن نہ تھا کیونکہ حج ویزہ والے اس آخری فلائٹ کے بعد نہیں جا سکتے تھے یہ تو سارا قدرت کا بندوبست تھا کہ جس نے انتہائی برق رفتاری سے سارے کام کروائے ہمیں وزٹ ویزا ملا اور ہم حج کی سعادت سے بہرہ ور ہونے جا رہے ہیں۔

جہاز پر میری برابر کی نشست پر ایک عربی صاحب بیٹھے تھے انھیں پاسپورٹ دکھایا اور پوچھا کہ یہ عربی میں کیا لکھا ہے، کہنے لگے'' اس پر لکھا ہے کہ یہ پاکستانی کونسلیٹ سے منسلک ہیں اور آفیشل کام سے جدہ جا رہے ہیں اس لیے حج کے سیزن میں انھیں وزٹ ویزا دیا جا گیا ہے۔'' اللہ اکبر اللہ اکبر

کچھ دیر بعد جب طبیعت ذرا سنبھلی تو گردوپیش نگاہ کی، ثروت کو یاد آیا کہ ایک چھوٹا سا کپڑے کا ہینڈ بیگ جس میں اس کا تمام زیور تھا، اس نے ہینڈ کیری کے نقطۂ نظر سے الگ رکھا تھا کہ وہ جہاز میں ساتھ ہی لے جائے گی، وہ موجود نہیں ہے، میں نے اسے تسلی دی کہ اب اس کے متعلق بالکل نہ سوچو، ہم اللہ کے گھر جا رہے ہیں، اگر کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا بھی پڑے تو سودا مہنگا نہیں ...... لبیک الّٰھم لبیک ...... ہم اس کے در پر جا رہے ہیں، جس کے نور کے ایک ذرے کا پھیلاؤ یہ کائنات، یہ ارض وسما ہے۔ہم اس سفر کے مسافر ہیں جو ہمیں درِ حبیب تک لے جاتا ہے۔ جہاں زادِ راہ کی ضرورت نہیں ہوتی ضرورت ہے تو صرف اس کی نظرِ کرم کی۔

میں جانتا تھا کہ زیور کو عورت کی کمزوری کچھ یوں ہی نہیں کہا گیا، اس کا عمر بھر کا

اثاثہ، اس کی یادوں کا خزینہ یہی ہے لیکن میں نے دیکھا کہ وہ بالکل مطمئن ہوچکی ہے۔ اس کی انگلیوں میں تسبیح کے دانے گردش کرتے تھے اور اس کے لبوں پر تسبیحات تھیں۔

ہمارا جہاز سرزمین حجاز کی طرف محوِ پرواز تھا اور میرا دل اس سے پہلے درِ مقدس پر دستک دیتا تھا۔ کبھی مجھے محسوس ہوتا میں مطاف میں ہوں، کبھی لگتا حطیم میں نوافل ادا کر رہا ہوں، سوتے جاگتے کے اس سفر کا اختتام ائر ہوسٹس کے اس اعلان کے ساتھ ہوا کہ ہم جدہ ائر پورٹ پر اترنے والے ہیں، جہاز سے اترے۔ فضا میں رچی بسی محبت نے خوش آمدید کہا، ایک طویل مرحلے سے گزر کر ہم سامان کے حصول کے لیے پہنچے، ہمارا سامان آیا۔ اس سامان میں کپڑے کا ایک ننھا منا سا ہینڈ بیگ بھی اپنی جھلک دکھاتا تھا۔ وہی ہینڈ بیگ جس میں ثروت کا تمام زیور موجود تھا...... اللہ اکبر اللہ اکبر......

ہم اتنی افراتفری میں نکلے تھے کہ ہمیں کچھ ہوش نہ تھا کہ ہم نے کون سی چیز کہاں پیک کی ہے، اب مرحلہ تھا جدہ میں قیام کا۔ جدہ میں ہمارا مختصر قیام اس دوست کے گھر متوقع تھا، جس نے ہمارے ساتھ فریضہء حج کی ادائیگی کرنا تھی...... اس کا پتہ؟...... اس کا پتہ کہاں رکھا تھا۔ جلدی جلدی سارا سامان کھول کر چھان مارا، پتہ ملنا تھا نہ ملا۔

خیر کوئی بات نہیں، اپنے کزن قاضی آفتاب بھی تو جدہ ائر پورٹ پر ہی ہوتے ہیں ان سے مل لیتے ہیں، ان سے ملنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا، وہ تو ڈیوٹی آف کر کے گھر جا چکے ہیں۔ ان کے گھر کا پتہ...... پھر ایک سوالیہ نشان ہمارے سامنے تھا، ہم دیارِ غیر میں نہ تھے اپنے ہی گھر میں تھے، قاضی صاحب نہ ملے تو کیا ہوگا، کوئی بات نہیں، جس نے ہمیں بلایا ہے وہی انتظام بھی کرے گا۔ ہم کسی بھی خوف سے آزاد تھے۔

ڈیوٹی پر موجود صاحب نے کہا کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو آپ کی مدد کر سکتا ہے، چند لمحوں بعد ہم اس شخص کی گاڑی میں تھے جو ہمیں قاضی صاحب تک لے جاتی تھی۔

آدھ گھنٹے سے بھی کم عرصے میں ہم اپنے کزن کے آرام دہ گھر میں بیٹھے تھے ......اللہ اکبر اللہ اکبر...... اللہ نے حجِ اکبر کی دعوت دی تھی اور ہم اس دعوت پر لبیک کہتے تھے۔

ہم ترکی سے چلے تھے، حج سے متعلق کوئی کتاب کوئی کتابچہ ہمارے پاس نہ تھا اور ہم عمرہ و حج کرنے چلے آئے تھے اور ہمیں اس کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ابھی طواف کا پہلا ہی چکر مکمل کیا تھا کہ قدموں سے کوئی چیز ٹکرائی۔نگاہ نیچے کی تو کسی زائر کے ہاتھ سے کتابِ حج نیچے گر چکی تھی اور اسے اٹھانا مشکل لگا ہوگا یا بے دھیانی میں گری ہوگی، میں نے لپک کر اسے اٹھایا، اسے چوما دل سے لگایا، ......اللہ اکبر اللہ اکبر......

تمام حج میں اس نے ہماری قدم قدم پر مدد کی۔حج کے اختتام پر عزیزوں کے لیے کچھ تحائف لینے کی نیت سے بازار گئے۔نہ جانے کس دکان پر بھول آئے یا شاید خانہء کعبہ میں ہی کسی مقام پر رہ گئی۔گھر آئے تو پریشان ہوئے کہ ہماری کتاب نہ جانے کہاں گئی،مہر بانوں نے تسلی دی کہ وہ یہیں کی کتاب تھی یہیں رہ گئی،کسی اور کی رہنمائی کے لیے۔

خانہء کعبہ اور مسجدِ نبوی میں، میدان عرفات میں اور منیٰ کے خیموں میں کیا کیا مشاہدات اور تجربات ہوئے ذوقِ حضوری اور شوقِ حاضری نے کیا کیا کرشمے دکھائے اس کا تذکرہ ایک الگ باب کا متقاضی ہے۔''

ریاض الجنتہ میں سنگ مرمر کے سات ستون جن پر انتہائی نفیس سنہری مینا کاری کی گئی ہے، خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں اور ہر ستون تاریخی پس منظر رکھتا ہے۔

ستونِ حنانہ یا اسطوانِ مخلق ...... یہ ستون محراب نبیؐ کے قریب ہے۔ آپ ﷺ یہاں خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ مسجد نبوی کے ابتدائی دور میں یہاں ایک کھجور کا درخت تھا جس کے تنے سے ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے اور لوگوں کے مسائل سنا کرتے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع کا منصوبہ تشکیل دیا گیا تو کھجور کا یہ درخت بھی اس کی زد میں آ گیا۔ کھجور کا درخت کاٹا گیا تو وہ حضور ﷺ کی جدائی کے تصور سے رویا۔ آپ ﷺ نے اسے دلاسا دیا اور اس کی محراب نبوی کے قریب تدفین کی گئی۔ ایک اور روایت کے مطابق حضورؐ کے لیے نیا منبر بنوا کر بھیجا گیا۔ آپ نے جب اس منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دیا تو کھجور کا یہ درخت جس سے ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے، آپ ﷺ کے فراق میں بچوں کی طرح دیا۔ جس پر آپ ﷺ نے اسے دلاسا دیا ......مخلق اس چیز کو کہتے ہیں جس پر خوشبو لگی ہو۔ اس ستون پر چونکہ خوشبو ملی جاتی تھی اس لیے اسے ستون مخلق بھی کہا گیا ہے۔

ستونِ عائشہ ...... ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ مسجد نبوی میں ایک مقام ایسا فضیلت والا ہے کہ اگر عقیدت مندوں کو علم ہو جائے تو وہ اس مقام پر عبادت کرنے کے لیے قرعہ اندازی کرنے لگیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اصرار پر حضرت عائشہؓ نے اس مقام کی نشاندہی کر دی۔ علامت کے طور پر تعمیر شدہ اس ستون کو ستون عائشہ کا نام دیا گیا، اسے ستون قرعہ بھی کہتے ہیں۔

ستون ابو البابہ......حضرت رفاعہؓ بن عبد المنذر رجن کی کنیت ابو البابہ ہے، حضورؐ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ جنگ خندق کے موقع پر بنوقریظہ نے غداری کی، جو بارگاہ نبوت میں پکڑی گئی اور کامیاب نہ ہوسکی۔ اب بنوقریظہ کو مواخذہ کا خوف تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ان کے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا۔ انھوں نے جناب ابو البابہؓ سے دریافت کیا، آپ نے اشارے سے بتا دیا کہ تمام غداروں کی گردنیں اڑا دی جائیں گی، لیکن فوراً ہی یہ احساس ہوا کہ مجھ سے راز فاش کرنے کی غلطی سرزد ہوچکی ہے۔ احساس ندامت سے دل شکستہ مسجد نبوی تشریف لے گئے اور خود کو ایک ستون سے باندھ لیا، کھانا پینا موقوف کر دیا۔ نماز یا انتہائی ضرورت کے وقت آپ کی بیٹی آپ کو کھول دیتی، نماز کے بعد آپ پھر خود کو باندھ لیتے۔ سورۃ توبہ نازل ہوئی تو آپ کو معافی کی نوید دی گئی۔ آپ نے فرمایا جب تک حضور ﷺ خود نہ کھولیں گے میں اسی طرح بندھا رہوں گا چنانچہ حضور ﷺ نے خود آ کر آپ کو آزاد کرایا۔ یہ ستون اسی واقعے کی یاد دلاتا ہے۔

ستون سریر...... یہ وہ مقام ہے جہاں آپ ﷺ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ یہیں آپ ﷺ کا بستر لگا دیا جاتا تھا اور آپ ﷺ یہیں آرام فرما لیتے تھے۔ سریر کا مطلب چارپائی بھی ہے۔

ستون وفود...... باہر سے آنے والے وفود اس مقام پر آپ ﷺ سے شرف ملاقات حاصل کرتے۔ اکثر کفار نے آپ ﷺ سے متاثر ہوکر اسی مقام پر اسلام قبول کیا۔ یہ ستون روضہء مبارک کے ساتھ ہے۔

ستون علی یا ستونِ حرس......حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہاں نماز ادا کیا کرتے تھے

اورسرکار دو عالم ﷺ کی حفاظت کے لیے پہرہ داری کیا کرتے تھے۔تا وقتیکہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ حضورﷺ کی حفاظت کا ذمہ ہمارا ہے۔ یہ ستون بھی روضہء رسول سے ملحق ہے۔

ستونِ تہجد...... یہاں آپ ﷺ تہجد کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔

اصحاب صفہ کا چبوترہ...... مسجدِ نبوی کا ایک اہم مقام، مسلمان دینی تعلیم وتدریس کے لیے مسجدِ نبوی کا رخ کرتے تھے۔مسجدِ نبوی صرف عبادت کا ہی مرکز نہ تھی بلکہ دینی علوم اور روحانی تربیت کا ادارہ بھی تھی، چونکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں مختلف مقامات سے آکر اپنی زندگی علومِ دین کی ترویج اور اشاعت کے لیے وقف کر چکے تھے، اس لیے خود حضور ﷺ ان کے کھانے پینے کا خیال رکھا کرتے تھے۔

فقر و درویشی کی علامت، یہ برگزیدہ لوگ تزکیہ نفس اور قرآن وحدیث کی تعلیم میں ہمہ وقت مصروف رہتے اور تبلیغ اسلام کے لیے خندہ پیشانی سے دور دراز کے سفر کے مصائب اٹھاتے۔ یہ چبوترہ ان ہستیوں کا مسکن ومدرسہ تھا۔جن کے قریب بیٹھ کر آپ دعا فرمایا کرتے تھے۔اے اللہ تو مجھے مسکینوں میں زندہ رکھ، مسکینوں میں یہ موت عطا کر، مسکینوں کے ساتھ قیامت کے روز اٹھا، تو اصحابِ صفہ سے زیادہ خوش بخت اور کون ہوسکتا ہے کہ جن کی معیت کی حضور پاک ﷺ خود دعا فرمائی۔

یہ وہی کھجور اور پانی پر گزارا کرنے والے، جن کے بدن کو پورا لباس بھی میسر نہ تھا، یہی صحابہء کرام فکری، اخلاقی واسلامی انقلاب کے داعی اور رشد وہدایت کے چراغ اور تعلیم وتربیت کے بہترین معلم ومبلغ ثابت ہوئے۔ ایسی درس گاہ، ایسے طالب علم اور ایسے

معلم روئے زمین پر کہیں ہوئے ہوں گے۔ مدینہ میں اس مقام کی وہی فضیلت واہمیت ہے جومکہ میں دارارقم کی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش نے کشف المحجوب میں اصحاب صفہ کے بائیس ناموں کی فہرست دی ہے۔

میری کتنی بدقسمتی کہ شدید آرزو کے باوجود میں علم کے شیدائی اور آپ ﷺ کی تربیت پذیری اورقربت کی آرزو میں اپنا گھربار بھول کر مدینے کو اپنا مسکن بنا لینے والے اصحاب صفہ کا چبوترہ نہ دیکھ سکی کہ وہ مردانے حصے میں ہے، اب خیال آتا ہے کہ میں شاہد سے ذکر ہی کر دیتی کہ مجھے ہر حال میں اصحاب صفہ کا چبوترہ دیکھنا ہے بلکہ وہاں بیٹھ کرقرآن پاک کی تلاوت کرنا ہےتو وہ یقیناً کوئی نہ کوئی سبیل نکال لیتے ،کم ازکم اس مقام کی زیارت ہی کروادیتے۔

اصحاب صفہ کے عام طور پر جومعنی مشہور ہیں، وہ چبوترے والے کے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے معنی سایہ دارجگہ یا سائبان کے ہیں، باب جبرئیل سے داخل ہونے پر دائیں جانب خوب صورت قالینوں سے ڈھکا زمین سے دوفٹ اونچا ایک چبوترہ ہے جسے اصحاب صفہ کا چبوترہ سمجھ کر اس مقام پرعبادت کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی لگن ہر دل میں جاگتی ہے، یہ اصحاب صفہ کا چبوترہ نہیں ہے، بلکہ وہ مقام موجودہ چبوترے سے خاصا آگے مغرب کی جانب ہے، ستون عائشہ سے شمال کی سمت یعنی قبلے کی مخالف طرف چلیں تو پانچویں ستون کے قریب ستر اہل صفا کا چبوترہ اور سائبان ہوتا تھا۔ موجودہ چبوترہ ساڑھے آٹھ سوسال قبل مصر وشام کے فرماں رواسلطان نورالدین زنگی نے ۱۱۶۲ء میں بنوایا تھا۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں عیسائیوں کی آپ ﷺ کے جسد مبارک کو روضہ ءاطہر سے نکال لے جانے کی ناپاک سازش ناکام کی تھی۔سلطان نے روضہ ءاقدس کے چاروں طرف خندق کھود کر اس میں سیسہ بھروادیا تھا کہ آئندہ کوئی ایسی ناپاک جسارت نہ کر سکے۔ انھوں نے یہ چبوترہ محافظوں کے بیٹھنے کے لیے بنوایا تھا۔

اب مسجدِ نبوی نے پورا قدیم مدینہ منورہ اپنے اندر سمیٹ لیا ہے لیکن روضہ ء رسولؐ،منبر رسول، چبوترہ ءاصحاب صفہ اور یہ سارے ستون دراصل اس مسجد کی نشان دہی کرتے ہیں جو حضورؐ کے زمانہ ءحیات میں تھی۔

میں اپنی خوش نصیبی پر نازاں مسجدِ نبوی کا چپہ چپہ دیکھنا چاہتی تھی مگر خواتین و مرد حضرات کے حصے الگ الگ کر کے انھوں نے انتظامی طور پر تو سہولت حاصل کر لی ہوگی، لیکن ان خواتین کے ساتھ جو اس مسجد کا ہر پہلو سے نظارہ کرنا چاہتی ہیں، بہت ناانصافی کی ہے۔

مسجدِ نبوی میں ترک خواتین کے قریب بیٹھنے کا موقع بھی ملا۔کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی ہے،بڑی مشکل سے یہ خواتین جگہ بناتی ہمارے سروں پر کھڑی ہو جاتیں اور نہایت ہی غیر محسوس طریقے سے وہ اس مقام پر جہاں قطعاً کوئی گنجائش نہ ہوتی تھی،کسی نہ کسی طرح بیٹھ جاتیں اور بڑے آرام سے ان کا ایک پاؤں ہمارے پہلو سے نکلتا دکھائی دیتا اور ہم سکڑ کر اسے جگہ دے دیتے۔چند لمحوں بعد ان کا دوسرا پیر جگہ بناتا نمودار ہوتا اور ہمیں سکیڑ کر اپنی جگہ بنالیتا۔بالآخر وہ جو اپنے وجود میں ہم سے کم از کم تین گنا ہیں،بڑے آرام سے نماز کے لیے جگہ بنالیتیں۔عرب کا اونٹ شدت سے یاد آتا۔ترک بہت محبت

کرنے والی قوم ہے۔ وہ اس طرح پیار سے مسکرا کر آپ کو دیکھیں گی کہ آپ مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دینے پر مجبور ہو جائیں گے، چونکہ ایک ترک میاں بیوی اسلام آباد میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور اپنی خوش مزاجی سے ہمیں اپنا گرویدہ کر چکے ہیں، ان کی وجہ سے بھی شاید ترک ہمیں اجنبی محسوس نہ ہوئے۔ اسلام آباد آ کر میں نے ان نازک اندام میاں بیوی سے کہا ''میں تم دونوں کا مستقبل دیکھ کر آ رہی ہوں، فاطمہ نور تین سو بیس پونڈ، رمضان ارسلان تین سو ساٹھ پونڈ''......دونوں اپنے مستقبل کی تصویر ''سن'' کر ہنسنے لگے۔

ترک ہمارے منہ سے چند ایک ترکی زبان کے الفاظ سن کر بہت خوش ہوتے۔ ایک ترک خاتون میرے پاس بیٹھی تھیں۔ ان کے پرس کے ساتھ ایک منا سا اونی موزہ لٹک رہا تھا۔ میرے منہ سے نکلا ''چوک گزیل''، یعنی بہت خوبصورت، انھوں نے موزہ کھولا اور میرے منع کرنے کے باوجود میرے بیگ کے ساتھ ٹانک دیا۔

یہاں پاکستان میں بھی میں نے محسوس کیا کہ وہ ترک جو مذہب کی طرف رجحان رکھتے ہیں ان کے لیے سعید نورسی کی شخصیت ایک اہم دینی رہنما کا درجہ رکھتی ہے۔ مصطفیٰ کمال، اتا ترک یعنی ترکوں کا باپ کہلایا تو مذہبی مفکر اور دانشور سعید نورسی کا درجہ اسلام پسند لوگوں کے لیے اس سے کچھ کم نہیں۔ تراسی سالہ سعید نورسی نے ۱۹۶۰ء میں وفات پائی۔ ان کے مضامین کا مجموعہ رسالہء نور یہاں بھی ترکوں کے پاس اکثر نظر آیا۔

جمعہ کا روز پلک جھپکتے میں آ گیا۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ دل و نگاہ دونوں ہی نہ بھرے تھے، آج مسجد نبوی میں آخری دن ہے۔ پھر پتہ نہیں یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو، دعا تو بہت کی ہے لیکن اب وقت رخصت آ پہنچا ہے۔

مسجد نبوی دل ونگاہ کی تسکین کا مکمل سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس کے بلند و بالا مینار انسانی ہاتھوں کی تعمیر معلوم نہیں ہوتے۔ میں اکثر سر اٹھا کر انھیں تکتی رہتی اور سوچتی خدا کے جلال و جمال کا کیا عالم ہوگا، جب اس کے گھر کا رعب و دبدبہ اس قدر ہے۔ اس وسیع و عریض عالیشان اور فن تعمیر کا نادر مرقع کیا روئے زمین پر کوئی اور ہوسکتا ہے۔ اس کا ایک ایک ذرّہ شفاف، فرش انتہائی خوبصورت، منقش ستون، کھڑکیاں اور دروازے، قدیم و جدید فن تعمیر کی روشن مثال ہیں۔ صفائی کا انتظام اس قدر اعلیٰ کہ جہاں ہمہ وقت لاکھوں قدم گردش کرتے ہیں، صحنِ مسجد میں کھانا بھی کھاتے ہیں، پر کیا مجال کہ باقیات کا کوئی ذرّہ بھی نظر آئے۔ غسل خانے اس قدر صاف کہ کسی بڑے سے بڑے گھر کے بھی کیا ہوں گے، جہاں صرف چند نفوس ہی رہتے ہوں۔ صحنِ مسجد میں قالین بچھے ہیں۔ اندر بھی اور باہر بھی آبِ زمزم کے کولر بھرے ہیں، جو مکہ سے مدینہ لایا جارہا ہے۔

آبِ زمزم قدرت کا کتنا بڑا معجزہ، کہ ہزاروں سال سے کروڑوں عقیدت مند اسے پیتے ہیں، اپنے جسموں پر ڈالتے ہیں، اپنی قیام گاہوں پر لے جاتے ہیں، وطن لوٹتے ہیں تو اپنے ساتھ اسے ہی لے جانا چاہتے ہیں کہ اور سب چیزیں تو ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن آبِ زمزم نہیں، یہ صرف بیت اللہ کا ہی تحفہ ہے۔ غرض مدینہ منورہ میں بھی جی بھر کر پیا، اور اب مدینہ منورہ کو الوداع کہنا ہوگا، دیارِ نبیؐ سے رخصت ہونا ہوگا۔ مجھے یاد آیا کہ جب ہم دوبارہ مسجد قبا گئے تھے اور واپس مسجد نبوی پیدل آئے تھے، خود پر نازاں تھے کہ دیارِ نبیؐ کی مقدس گلیوں میں پھر رہے ہیں، تو ہم نے دیکھا کہ کچھ لوگ احترام مدینۃ النبیؐ میں ننگے پاؤں مسجد نبوی کی طرف رواں ہیں۔

مجھے یاد آیا۔ امام مالکؒ نے تمام عمر مدینے میں کبھی کوئی سواری استعمال نہیں کی، ہمیشہ پیدل سفر کرتے رہے۔ مدینہ سے باہر کبھی نہ نکلتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس مقدس شہر سے باہر ہوں اور موت کا وقت آ جائے اور جب ضروری جانا ہوتا تو آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اور واپسی میں تیز چلتے ہوئے آتے کہ پیشِ نظر ہمیشہ یہی خواہش ہوتی کہ موت مدینہ میں ہی مقدر ہو۔ یہ واحد شہر ہے کہ جہاں موت کی آرزو پسندیدہ ہے۔

انھوں نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج کیا کہ وہ فرض عبادت ہے، اس کے بعد مدینے کی جدائی گوارا نہ کی۔ بیس برس تک انھوں نے روضہء رسول کی چھاؤں میں درس حدیث وقرآن پاک دیا لیکن اس قدر آہستگی کے ساتھ ورق الٹتے کہ آواز نہ پیدا ہو اور حضور اکرم ﷺ کے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔ ایک مرتبہ حدیثِ مبارکہ کے درس کے دوران میں بچھو نے بار بار ڈنک مارا، آپ نے پہلو بدلنا بھی سوئے ادب خیال کیا اور بعد میں جب اصحاب کو علم ہوا تو وہ ششدرہ گئے، لیکن آپ ان کی ایسی تربیت کر گئے کہ انھیں بھی یہ احساس تھا کہ عشق مصطفوی ﷺ کا دعویٰ ادب واحترام کے بغیر ممکن نہیں۔ کیا صدیاں گزر جائیں تو ان دعوؤں پر کہنگی کے گہرے اثرات ثبت ہو جاتے ہیں، کہ ہمارے عہد تک آتے آتے روضہء رسول پر جو کچھ ہوتا ہے اس کا تصور ہمارے یہ بزرگ کبھی نہ کر سکتے تھے۔

ہم ان گلیوں میں پیدل چلنے والوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، شاید یہی وجہ تھی کہ ہمیں پیدل چلنے میں ذرا سا بھی تھکن کا احساس نہ ہوا بلکہ ایک وجد وسرور کی سی کیفیت طاری رہی۔

اسلام آباد میں جب ہم حج کی تیاری میں، ساز و سامان ایک جگہ رکھنے میں

مصروف تھے، شاہد کی ساری توجہ اس امر پر مرکوز تھی کہ کہیں میں سامان زیادہ تو نہیں اکٹھا کر رہی۔

''میرے لیے صرف چار جوڑے کافی ہوں گے، تم پانچ یا چھے رکھ لو اس سے زیادہ ہرگز نہیں۔ جتنا کم سامان ہوگا اتنا ہی چلنے پھرنے میں آسانی ہوگی۔''

میں نے نہایت خاموشی سے آٹھ جوڑے رکھ لیے جو کہیں سے بھی زیادہ نہ تھے۔ ایک تو عید کے لیے محفوظ کر لیا، دوسرے دو مدینہ میں پہننے کے لیے ذرا گرم کہ وہاں ٹھنڈ ہوگی، پھر ایک سوٹ میں اس نیت سے سلوا کر لے گئی تھی کہ میمونہ عارف نے کہا تھا کہ ایک سوٹ مسجد نبوی میں کسی بھی ضرورت مند کو دینے کے لیے لے جانا کہ وہاں ادنیٰ سی نیکی کا اجر وثواب بے شمار ہے۔ وہ ایک سوٹ مجھے وہاں دینا تھا۔

ہم مدینہ پہنچے، آٹھ دن کا قیام تھا، جمعے کے دن کہ آج مسجدِ نبوی میں ہمارا آخری روز تھا، میں اپنے تھیلے میں وہ سوٹ بھی ڈال کر لے گئی۔ دن بھر عبادتوں کی طرف ہی توجہ رہی، یہ یاد تو تھا کہ سوٹ کسی کی نذر کرنا ہے لیکن ابھی سوچا نہ تھا کہ کب، کہاں اور کسے دینا ہے، شاید عصر سے کچھ پہلے کی بات ہے، میں اور فریدہ صحن مسجد میں کھڑے کوئی بات کر رہے تھے کہ اچانک تیزی سے ایک خاتون ہماری طرف آئی اور مجھے کہنے لگی، وہ سوٹ دے دیں، میں نے تھیلا کھولا، سوٹ نکالا اور اسے دے دیا۔ فریدہ حیران رہ گئی کہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ آپ اس کے لیے سوٹ لے کر آئی ہیں۔ وہ میری طرف یا دوسری بے شمار عورتوں کی طرف کیوں نہ گئی۔ اسی عالمِ حیرت میں فریدہ مجھ سے جدا ہو گئیں، مسجد نبوی کے کسی اور گوشے میں یکسوئی سے عبادت کے لیے۔ وہاں آپ کے چھوٹے بڑے مسائل غیر محسوس طریقے سے حل

ہوتے رہتے ہیں کہ آپ اللہ اور اس کے رسول کے مہمان ہیں ۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ مدینہ منورہ کا ایک رمضان دوسرے شہروں کے ایک ہزار رمضان سے افضل ہے اور مدینہ منورہ کا ایک جمعہ دوسرے شہروں کے ایک ہزار جمعہ سے افضل ہے ۔ جمعہ کے روز اپنے وطن میں بھی میری یہ خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ وقت عبادت میں گزارا جائے ۔نصیب سے ہمیں دو جمعے مسجد نبوی میں مل گئے ۔ظہر کے بعد سورۃ یٰسین کا تین مرتبہ خاص ورد، پھر عصر کے بعد اسی مرتبہ درود شریف اور ستر مرتبہ آیت الکرسی میرے جمعے کے معمولات میں شامل ہیں ۔ اس کے علاوہ دیگر ذکر و وظائف جو خدا توفیق دے، سبھی ادا کیے...... دعائیں دل و ذہن میں نہایت بے ترتیبی سے آتی رہیں، پھر وہ خیال جو صبح سے دل و جان کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا کہ حضور کے روضہ اور اس مسجد میں پھر آنا نصیب ہو کہ نہیں، جدائی کے احساس نے ایسا نشتر لگایا کہ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے ۔ پھر یہ تسلی کہ اس وقت میرے آس پاس کوئی نہیں، میری ساتھی جا چکی تھیں، میری حالت دیکھنے والا کوئی ظاہر بین نہیں، زندگی میں پہلی بار در نبی ﷺ پر اللہ ذوالجلال سے رو رو کر اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگی، گناہوں پر توبہ استغفار کی، جی بھر کر اپنے اور اپنے پیاروں کے لیے مغفرت، صحت، زندگی اور دین و دنیا میں سرخروئی کے لیے دعائیں مانگیں ۔حضور سے بار بار معافی چاہی کہ چند ایک بار ایسا ہوا کہ حدیث نبوی کے پیش نظر کہ دعا مانگنے کی بجائے سائل کا تمام وقت درود شریف پڑھنے میں ہی گزر جائے تو اور زیادہ بہتر ہے، تو میرے دل میں یہ شیطانی وسوسہ پیدا ہوا کہ میں نے اتنی دفعہ درود شریف پڑھا، پھر میری دعا کیوں قبول نہیں ہوئی؟ اس روز بار بار اس غلط خیال پر ندامت کا اظہار کیا ۔ اتنی تسکین، اتنا انہماک، اتنی گریہ

وزارری مجھے عمر بھر میں پہلی مرتبہ ملی تھی ۔ دنیا و مافیہا کا مجھے کچھ ہوش نہیں سوائے اس کے کہ وقت کو کسی طرح روک لوں جو کچھ پڑھ سکتی ہوں، پڑھ لوں ۔ دنیا و عاقبت کی ساری نعمتیں مانگ لوں ۔ ہوس کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے نے مجھے ایسا اسیر کیا، لفظ کم پڑ گئے، میرے دائیں جانب ترک اور بائیں جانب انڈونیشی خواتین بیٹھی تھیں، سبھی اپنے آپ میں گم ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس گھڑی خدا سے براہ راست رابطہ ہے، رسول اکرم ﷺ ہماری بے تابی اور اضطراب کو دیکھ رہے ہیں اور خدا کے حضور ہماری شفاعت کریں گے ۔

گر یہ وزاری میں بھی ایک لذت، ایک نشہ ہے ۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز انسان خدا سے اپنا تعلق استوار کرے اور اس تعلق کو آوازوں کے پتھر پاش پاش کرنے لگے ......''میں نے دوپٹوں کے دو تھان لیے چودہ ریال فی دوپٹہ پڑا ۔ پاکستان میں ویلوٹ کا سوٹ دو ہزار کا ہے یہاں یہی سوٹ سات ہزار کا ہے ......میرا میاں پانچ سال سے یہاں ہے......میرا بھائی......میرا بیٹا......میں نے اپنی ساس کے لیے......نند کے لیے''......

خریداری کی تفصیل، قیمتوں کی باتیں، ساری زندگی سنتے آئے تھے کہ عورتیں بہت بولتی ہیں ۔ ظہر کے وقت یہ عورتیں بولنا شروع ہوئی تھیں مغرب کے بعد تک اسی ایک موضوع پر بولتی رہیں ۔ میرا کئی مرتبہ جی چاہا، ان سے درخواست کروں کہ یہ کون سا مقام ہے، کون سا مبارک دن ہے ۔ پھر یہ مبارک مقام زندگی میں آئے یا نہ آئے ۔ در نبی پر آئے ہو کچھ درود و سلام بھیجو ۔ اللہ کے سامنے اپنے کردہ ناکردہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کرو ۔ جرات کی کمی کہہ لیں یا یہ کہ میں وہاں ایک لمحے کا ہزارواں حصہ بھی ضائع کرنے کے حق میں نہ تھی ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بحث وتکرار طول کھینچ جائے، دو کی بجائے دس جملے بولنے پڑ جائیں ۔ میں اتنی دیر

میں ایک تسبیح اور نہ پڑھ لوں ۔

پچھلے روز بھی نماز مغرب کے بعد ایسی ہی کوفت ہوئی جب دو پاکستانی خواتین نے سرائیکی لب ولہجہ میں آپس میں گفتگو شروع کردی ۔ ایک صحن مسجد کے دروازے کے پاس اور دوسری پانچ سات صفیں آگے، ان دونوں کے درمیان کاروباری معاملات پر بڑی شدو مد سے تکرار بلکہ لڑائی ہورہی ہے وہ دونوں تو نماز مغرب کے فرض ادا کرنے کے بعد اپنے گلے شکوے اور الزامات کا تبادلہ نہایت کھلے الفاظ میں کررہی ہیں، انھیں یہ خیال نہیں تھا کہ باقی لوگ عبادت میں مصروف ہیں، ان کی کرخت آوازیں اور ناشائستہ الفاظ تمام نمازیوں کے لیے کس قدر کوفت کا باعث ہیں ۔

سلام پھیرنے کے بعد میں نے اپنے قریب بیٹھی خاتون سے کہا ''ذرا تو پاکستان کا خیال کریں ۔''

میرا یہ کہنا تھا کہ اس کی توپوں کا رخ میری طرف ہوگیا ...... ''کیا خیال کریں، ہم کسی کا سامان اٹھا کر بھاگ رہے ہیں ۔ کیا جرم کیا ہے ہم نے ......ہم تو روٹی روزی کے چکر میں پڑے ہیں ۔ ہم نے کیا بٹہ لگا دیا پاکستان کے نام کو......''

میرے لیے اب ایک ہی رستہ رہ گیا تھا کہ خاموشی سے اگلے نوافل کی نیت کر لوں ۔ مسجد نبوی میں اکثر پاکستانی اور انڈونیشی خواتین پرس، جرابیں، پنکھے، سکارف وغیرہ بیچنے آجاتی ہیں ۔ دین و دنیا ساتھ ساتھ، مگر یہ کسی ضابطہء اخلاق میں ہونا چاہیے ۔

ان دنوں میں محسوس کررہی تھی کہ میری آرزوئیں بہت بڑھتی جارہی تھیں ۔ ابھی تو جو کچھ میرا ارادہ تھا اس کا بہت سا حصہ پڑھنا باقی ہے ۔ اے اللہ دن چوبیس گھنٹوں کا کیوں

ہوتا ہے، چھتیس گھنٹوں کا کیوں نہیں۔ بہر حال ان پاکستانی خواتین نے شدید ذہنی اذیت پہنچائی، حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ کیا خواتین شاپنگ کے موضوع پر لگاتار بے تکان تین چار گھنٹے بول سکتی ہیں؟

عشاء کے بعد بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اٹھنے پر آمادہ کیا۔ سب اسی مقام پر اکٹھے ہوئے جو ہم نے گذشتہ آٹھ روز سے طے کیا ہوا تھا یعنی جنت البقیع کی سیڑھیوں کے ساتھ، روضہء رسول ﷺ کے سامنے۔

جنت البقیع...... مسجد نبوی کی مشرقی سمت میں واقع ہے جس میں عورتوں کو جانے کی اجازت نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں دس ہزار کے قریب صحابہ کرامؓ مدفون ہیں۔ اولیا اللہ اور دیگر زعما اس کے علاوہ ہیں۔ یہیں دخترِ رسول حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت عثمانؓ مدفون ہیں۔ یہیں حضرت خدیجہؓ اور حضرت میمونہؓ کے علاوہ تمام امہات المومنینؓ آرام فرما ہیں......

''جنت البقیع ان گیارہ میں سے نو کی آرام گاہ ہے لیکن حکمرانوں کی شرعی خشونت کا شکار، رسول اللہ کے اہل بیت، رسولؐ کی اولادیں، رسولؐ کے ساتھی، رسولؐ کے جانشین، رسولؐ کے فدائی، حتیٰ کہ رسولؐ کو گود میں کھلانے والی حلیمہ سعدیہؓ یہاں اس طرح لیٹی ہوئی ہیں جس طرح گمنام ادیبوں کے ادھورے مسودوں پر عبارتیں قلم کی کتر بیونت سے دم توڑ دیتی ہیں''......(شب جائے کہ من بودم، شورش کاشمیری، صفحہ ۱۶۹)

ایک روایت کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہراؓ، آپ کی صاحبزادیاںؓ، حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ، صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ، آپ کے چچا حضرت عباسؓ، نواسے

حضرت امام حسنؓ، رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ بھی یہاں مدفون ہیں۔جی چاہتا تھا کہ ایک نظر جنت البقیع کی زیارت کرنے کا موقع مل جائے۔مسجد نبوی آئے دو تین دن ہوئے تھے۔منتظمین نے ہمیں جنت البقیع کی طرف جانے نہ دیا تھا۔ازان سے ہزارہا افراد مدینہ منورہ آئے، ان کے ہمراہ خواتین بھی تھیں۔ان کے لیے جنت البقیع کھولا گیا تو ہم بھی ان کے ساتھ اوپر چلے گئے۔کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کی قبر پر سب سے پہلے فاتحہ پڑھنی چاہیے لیکن ہمارے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ کسی گائیڈ کے بغیر ان کی قبر کا اندازہ کرسکتے۔پھر یہ کہ یہاں ایک کھلا میدان ہے معمولی نشیب وفراز کے ساتھ، جس میں پتھر صرف قبور کی نشان دہی کرتے ہیں۔کسی قبر کی کوئی پہچان نہیں۔کیا روز اول سے ہی اس عظیم قبرستان کی یہ حالت ہے۔ایسا نہیں ہے خلفائے راشدین ہوں یا والیانِ مدینہ منورہ، سبھی نے ان برگزیدہ بندوں کے اس شہرِ خموشاں کی نہایت محبت سے دیکھ بھال کی، ان قبور پر کتبے بھی نصب تھے اور قبے اور گنبد بھی بنائے گئے تھے، موجودہ صورت حال بہت بعد کی ہے۔ہم نے تمام مرحومین کے لیے فاتحہ خوانی کی۔

اب وقتِ رخصت، حضور کے روضہء اطہر پر الوداعی سلام پیش کیا، یہاں بھی وہی صورت حال ہوئی کہ جیسے ہی فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے، شرطہ اپنی چھڑی سمیت آموجود ہوا ''شرک شرک'' دعا مانگنی ہے تو دوسری طرف رخ کرو، اس نے عربی میں سمجھانے کی کوشش کی۔مسجد نبوی کے پرشکوہ جگمگاتے مینار، گنبد خضریٰ سے مس کرتی معطر ہوائیں، وہ خنک فرش جہاں جبیں سجدہ ریز ہوئی تھی، سبھی ہمیں جانے سے روکتے تھے، لیکن یہ امید بلکہ یقین کہ در نبی پر بار بار آنے کے لیے کی گئی دعا ضرور مستجاب ہوگی۔وہاں سے رخصت ہوئے تو وہ ٹرالر

آج بھی کھڑا تھا جس نے پہلے دن پلاؤ کے پیکٹ تقسیم کیے تھے تو لوگ ٹوٹے پڑتے تھے، لیکن آج کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔جدائی کا احساس بھوک پیاس سبھی کچھ ختم کر دیتا ہے۔

قیام گاہ پر آئے، سامان اٹھایا، بسوں میں رکھا، انتہائی تکلیف دہ حد تک تنگ نشستوں والی خوبصورت بسیں، کافی انتظار کے بعد چلیں۔مدینہ سے بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر مسجد ذوالحلیفہ، جسے بیر علی بھی کہا جاتا ہے اور مکہ جانے والے احرام یہیں سے باندھتے ہیں...... یہاں اترے، غسل کیا، احرام وعمرہ کی نیت کی، نوافل ادا کیے اور تلبیہ پکارتے ہوئے بس میں سوار ہو گئے۔

مکہ مکرمہ

بس کا سفر ہمیشہ سے ہی میرے لیے سوہان روح رہا ہے ۔بس میں بیٹھتے ہی طبیعت اتنی خراب ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ بس سے فوراً اتر جاؤں اور سارا سفر خواہ سیکڑوں میل ہی کیوں نہ ہو، پیدل طے کروں ۔ اب پھر وہی کیفیت طاری ہوئی ۔ بڑی مشکل سے چندمنٹ نیند آئی جس سے طبیعت قدرے سنبھلی ۔ فجر کی نماز راستے میں ادا کی ۔ صبح سات بجے اپنی قیام گاہ مکہ مکرمہ پہنچے، ناشتہ کو دل نہ کیا،عمرہ کے لیے روانہ ہوئے ۔

کعبے کی رونق، کعبے کا منظر اللہ اکبر، واقعی دیدنی تھا، وہی مطاف جو آٹھ دس روز پہلے وسیع وعریض معلوم ہوتا تھا، اب انبوہ انسانی نے اسے بھر دیا تھا۔ جب ہم عمرے کے طواف کے لیے داخل ہوئے تو دیگر افراد کے علاوہ، وہاں انڈونیشیا کے مرد و خواتین پر مشتمل ایک گروہ بھی موجود تھا جس کی نمائندگی ایک دراز قد نوجوان لڑکا کر رہا تھا۔طواف کے دوران اس نوجوان کے اسمائے ربانی کے ورد نے ایک سحر سا طاری کر دیا، یا اللہُ یا رحیمُ، یا اللہ یا کریمُ، یا اللہ یا حی،ُ یا اللہ یا قیومُ آج تک وہ ایک آواز اور پھر اس کی پیروی میں پورے گروہ کی آوازیں سماعت میں محفوظ ہیں، ہم تیسرے شوط میں تھے کہ ان کا

طواف مکمل ہوگیا، بہت جی چاہا کہ کاش یہ ایک طواف اور کرلیں تو ہم کچھ دیر اور اس الوہی فضا میں، اس وجد آفریں ماحول میں سانسیں لے سکیں۔ بہر حال طواف مکمل کیا، سعی اور حلق کے بعد واپس لوٹے۔

وہاں مہنگائی کا یہ عالم ہے کہ اگر ریال کو پاکستانی روپے میں تبدیل کرنے لگتے تو شاید کھانا بھی نہ کھا پاتے، ایک ریال کا کیلا، مقامی لوگوں کے لیے سستا ہوگا لیکن ہم جو سترہ روپے درجن بہترین کیلا کھانے کے عادی ہیں، خاصا مہنگا معلوم ہوا۔ شکر ہے کہ ہم نے اس معاملے کو سنجیدگی سے نہ لیا اور روپے کو ریال سے ضرب، تقسیم دینے کی کبھی کوشش نہ کی، پاکستانی ہوٹل سے صبح کا ناشتہ، انڈے پراٹھے یا نان چھولے، چائے ہم پیتے نہ تھے، کوک کے ٹن خرید لیتے یا آب زمزم ہمراہ ہوتا، کہ وہاں پانی پٹرول سے مہنگا ہے، پھر ذرا دیر کو گھر آجاتے، بلڈنگ کے باہر کی جانب پھل اور سبزی کی دکانیں سجی تھیں، وہاں سے چار یا پانچ ریال فی کلو کے حساب سے ایک کلو پھل خریدتے، دو سیب، دو مالٹے، ایک دو کھیرے اور ہری مرچ، آٹھ ساڑھے آٹھ بجے حرم پاک جانے کے لیے گھر سے نکلتے، یہ پھل اور دو ایک جوس کے ٹن اور دوپہر کے لیے کھانا راستے سے خرید کر لے جاتے۔

ہمارے پاس کپڑے کا ایک چھوٹا سا تھیلا تھا، اس میں ہم یہ سب چیزیں دو جائے نمازوں میں لپیٹ کر بلکہ چھپا کر لے جاتے کہ شرطے اندر کھانے پینے کی چیزیں لے جانے نہیں دیتے۔ پہلے کچھ روز یہ معمول رہا کہ ظہر اور عصر کے درمیان مسجد سے باہر آ کر پاکستانی ہوٹل سے کھانا کھاتے، پاکستانی ہوٹل کی انتظامیہ انتہائی خوش اخلاق اور حجاج کرام کی عزت اور خدمت کرتی محسوس ہوئی، وہاں کام کرنے والے تمیز دار، خوش شکل اور سمارٹ نوجوانوں

کو دیکھ کر مجھے ہر مرتبہ شعیب منصور یاد آئے، وہ انھیں دیکھ پاتے تو نہ جانے کتنے باصلاحیت فنکاروں کا اضافہ ہو جاتا۔ بعد میں ایسا ہوا کہ ہجوم کے باعث آنا جانا مشکل محسوس ہوا اور وقت کے زیاں کا بھی افسوس ہوتا، ہم حرم پاک میں ہی کھانا لے جاتے، بابِ عبدالعزیز پر تھیلا چیک ہو جاتا تو بابِ فہد سے لے جاتے، بلکہ اب تو اکثر خود ہی پورے اعتماد کے ساتھ شرطوں کے آگے کر دیتے، وہ دیکھے بغیر ہی جانے کا اشارہ دے دیتے۔

ہم میں یہ جرات اس وجہ سے ہوئی تھی کہ ہمارے دو ایک سیب اور ذرا سا کھانا لے جانا انھیں گراں گزرتا ہے، لیکن وہ مصری خاندان جو تین خواتین، تین مردوں اور چھ سات بچوں پر مشتمل ہے، گذشتہ سات روز سے تہ خانے میں مقیم ہے...... ہم نے حجاج کرام میں اضافے کے پیشِ نظر اب کئی دنوں سے اپنا مستقر تہ خانے کو بنالیا تھا۔ ایک روز آئے تو دیکھا کہ تہ خانے کے چار پانچ انچ اونچے ایک برآمدے کو جو تین طرف سے دیواروں سے گھرا ہوا تھا اور سامنے سے کھلا تھا، وہاں دروازے کی جگہ چھوڑ کر قرآن پاک کے شیلف رکھ کر دیواریں بنادی گئی ہیں، درریاں بچھی ہیں ضروریاتِ زندگی سے بھرے بڑے بڑے تھیلے بھی موجود ہیں۔ ان کے کھانے پینے کے لیے سارا دن ڈھیروں پھل، دودھ کے کرٹن، برگر اور خدا جانے کیا کیا آتا رہتا، سب سے بڑا بچہ پانچ سال کا ہوگا، سارا دن وہ بچے اودھم مچاتے رہتے، روتے بھی، دورانِ نماز بھاگتے دوڑتے لیکن کیا مجال کہ وہ عورتیں پاکستانی ماؤں کی طرح انھیں ڈانٹیں یا ماریں۔ انھوں نے کسی ہوٹل میں قیام کے بجائے خانہءخدا کے اس گوشے کو اپنا مستقر بنالیا تھا، اس وقت الجھن ہوتی جب وہ کپڑے دھو کر انھیں سکھانے کے لیے قرآن پاک کے شیلف استعمال کرتیں، ان کے بچے بے دردی سے قرآن پاک کے

نسخوں کو اٹھاتے اور الٹتے پلٹتے رہتے، وہ بچے کھاتے کھیلتے رہتے۔ حیرت ہوتی تھی کہ ان کے سامان کو دروازے پر روکنے والا کوئی نہیں۔

ایک اور بات جس نے مجھے حیران کیا وہ یہ تھی کہ ان بچوں کو جن میں سے کچھ کو تو شاید صحیح طریقے سے بولنا بھی نہ آتا تھا، انھیں پوری کی پوری اذان اور مکمل نماز جنازہ ازبر تھیں، ایک روز میں نے دیکھا ان کا ڈیڑھ سالہ بچہ کھیلتے کھیلتے کھڑا ہوا۔ظاہر ہے کہ اسے نماز کے معنی اور مفہوم سے کچھ آگاہی نہیں، اس نے پہلے شانوں تک ہاتھ اٹھائے، پھر قیام کے لیے ہاتھ باندھے، چند لمحوں کے بعد وہ رکوع میں گیا، سیدھا کھڑا ہوا، دو سجدے کیے، قعدہ میں بیٹھا اور پھر دونوں طرف سلام پھیرا۔ میں حیرت زدہ رہ گئی کہ اتنے سے بچے کو ساری ترتیب کیسے یاد رہ گئی۔ ہم بچوں کی تعلیم میں رٹے پر زور دیتے ہیں، عملی طور پر نمونہ پیش نہیں کرتے۔

یہاں اور بھی بہت سے لوگ بچوں کو لے کر آئے ہوئے تھے۔ اسلام آباد میں کاغذات جمع کراتے ہوئے، میں نے شاہد سے کہا تھا کہ فارد کو ساتھ لے چلتے ہیں تو انھوں نے کہا تھا کہ نہیں ابھی ہم اپنا فرض پورا کر لیتے ہیں، بچوں کو انشا اللہ آئندہ حج یا عمرہ پر لے چلیں گے، فارد پر حج فرض نہیں۔

۳ فروری ۲۰۰۱ء کی صبح فارد مجھ سے لپٹ کر کہنے لگا...... ''امی میں بھی جاؤں گا۔''

میں کانپ اٹھی، اتنے دنوں سے تو وہ کچھ نہ بولا تھا، آج کیا کہہ رہا ہے۔ میں نے کہا ''اگلی دفعہ جب عمرہ یا حج پر جائیں گے تو انشا اللہ سب جائیں گے۔''

روتے ہوئے کہنے لگا ''امی حج کمپلیکس تک تو لے جائیں۔''

مجھے خیال آیا، رات شاہد کہہ رہے تھے کہ ہمارے ساتھ کسی کو جانے کی ضرورت نہیں سب گھر سے ہی رخصت کر دیں،صرف طاہر جائے گا۔عباس صاحب نے سنا تو انھوں نے کہا ''شاہد صاحب بے شک نہ لے کر جائیں، میں تو دفتر سے چھٹی لے آیا ہوں، میں تو ضرور جاؤں گا۔''

چنانچہ جس جس نے آنا چاہا آیا اور ہمیں دعاؤں میں رخصت کیا۔

سرزمینِ حجاز پہنچ کر فارد، سرمد اور دانش یاد آتے رہے، اگر ساتھ ہوتے تو کس قدر خوش ہوتے۔مکہ، مدینہ اور منیٰ کے پہاڑ دیکھ کر دانش بےطرح یاد آتا وہ الپائن کلب کا ایسوسی ایٹ ممبر ہے اور بہت اچھا راک کلائمبر بھی، فارد اور سرمد بھی اس سے کچھ کم نہیں، وہ اگر ہوتے تو ہم کتنی تیزی سے غارِ ثور، غارِ حرا اور دیگر پہاڑوں پر چڑھتے، مجھے یاد آیا، آتے ہوئے میں نے دانش سے کہا تھا کہ نہ جانے وہاں ہمیں کتنا پیدل چلنا پڑتا ہے، پتانہیں ہمارا کیا بنے گا،تو ہنس کر کہنے لگا،میری امی اور ابو سے بڑا ہچ ہائیکر اور کون ہوگا،فکر ہی نہ کریں۔ اللہ کالاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم جی بھر کر پیدل چلے اور خوشی سے چلے،مجبوری سے نہیں۔

صبح آٹھ نو بجے ہم حرم پاک پہنچتے تو گرمی محسوس ہورہی ہوتی، اب ہم بابِ فہد کے بانوے نمبر دروازے سے تہ خانے میں اے سی والے حصے کی طرف اترتے، صلوٰۃِ تسبیح یہاں ادا کرتے، اتنے میں جسم ٹھنڈک محسوس کرنے لگتا تو ہم اے سی والے تہ خانے سے بابِ عبدالعزیز کے نیچے والے تہ خانے میں آجاتے اور بقیہ دن وہیں گزارتے۔چند سیڑھیاں چڑھتے، خانہ کعبہ سامنے ہوتا، جب موقع ملتا طواف کے لیے نکل جاتے، نمازیں اب تہ خانے میں ہی ادا کرتے کیونکہ اوپر بھیڑ بہت ہوچکی تھی۔ ہر نماز کے بعد خانہ کعبہ کے

سامنے کھڑے ہو کر دعا مانگنے کو ترجیح دیتے کہ کعبہ کی دید بھی عبادت ہے۔

یہاں ہم نے یہ بات محسوس کی کہ نماز کے وقت جماعت کے لیے عورتوں اور مردوں کی صفیں الگ الگ بنائی جاتی ہیں، لیکن انڈونیشیا کے مرد دو قدم آگے ہو کر مردوں کی صف میں کھڑے ہونے کے بجائے اپنی خوتین کے ہمراہ ہی نماز ادا کرنا پسند کرتے ہیں۔

عمرہ کے لیے ہم نے یہ طریقہ اپنایا تھا کہ جس روز عمرہ کا ارادہ ہوتا، احرام اپنے تھیلے میں ڈالتے، ظہر کی نماز باہر صحن میں پڑھتے، کیونکہ شرطے احرام اندر نہ لے جانے دیتے تھے۔ وہاں اکثر حاجی احرام کو آبِ زمزم میں بھگو کر آخرت کا لباس تیار کرتے ہیں، یہ بات شرطوں کے نزدیک بدعت تھی۔ ہم نماز ختم ہوتے ہی باہر آ جاتے، دو قدم پر موجود بس سٹاپ سے مسجدِ عائشہ کے لیے دو منزلہ بس پکڑتے اور پندرہ منٹ کے سفر کے بعد خوبصورت اور انتہائی پرسکون مسجدِ عائشہ پہنچتے، صاف ستھرے غسل خانے، جہاں کبھی باری کا انتظار نہ کرنا پڑا تھا۔ وہاں نہا کر، احرام باندھ کر مسجد میں آ جاتے، احرام اور عمرے کی نیت کرتے، نوافل ادا کرتے، مسجد سے نکلتے تو دروازے پر حرمِ کعبہ کے لیے ویگن تیار ملتی۔ پندرہ منٹ کے اندر وہ خانہء کعبہ کے بابِ فہد کے نیچے سرنگ میں اتار دیتی، برقی زینے سرنگ کی کود سے نکال کر بابِ فہد کے سامنے کھڑا کر دیتے۔ طواف وسعی کے مراحل اکثر عصر سے پہلے ہی تکمیل پا جاتے۔ شاہد حلق کرواتے، میں پور برابر بالوں کی لٹ کٹواتی، احرام اتار کر اپنے کپڑے پہنتے اور خانہ کعبہ میں حسبِ توفیق عبادت میں مصروف ہو جاتے۔

حرم پاک میں ہمارا آخری جمعہ تھا۔ ایک ایک لمحہ انتہائی قیمتی، عصر کے بعد درود شریف کے ورد سے فارغ ہوئی تو سوچا کہ یہاں تہ خانے میں جو کچھ پڑھ رہی ہوں، اوپر

خانہ کعبہ کے سامنے جا کر پڑھوں، کعبہ دل ونگاہ کا مرکز ہوتو دعاؤں کا لطف ہی اور ہوگا۔ یہ سوچ کر اٹھی ہی تھی کہ ایک شناسا آواز آئی ''آخر آج ہم نے آپ کو ڈھونڈ ہی لیا۔''

ظاہر ہے کہ انھیں وقت دینا پڑا اور یہ احساس کہ وقت گزر رہا ہے۔ مجھے مغرب سے پہلے ستر مرتبہ آیت الکرسی پڑھنی ہے۔ دعاؤں کی ایک طویل فہرست میرے پاس موجود ہے وہ سب اس دردولت پر مانگنی ہیں۔ وہ رخصت ہوئیں تو نہایت تیزی کے ساتھ اوپر پہنچی، خانہ خدا کے سامنے کھڑے ہوکر دعا کی اے اللہ میں مروّت میں بہت سا وقت ضائع کر چکی ہوں، یا اللہ مجھے توفیق دے کہ جو کچھ پڑھنا چاہتی ہوں، پڑھ لوں۔

میں نے ستر مرتبہ آیت الکرسی، جو تسبیحات میں پڑھنا چاہتی تھی اور جو دعائیں میرے پاس تحریری صورت میں موجود تھیں اور جو دل پر نقش تھیں، نہایت سکون سے سب کچھ پڑھا اور گھڑی کی طرف نگاہ کی تو یقین نہ آیا، ابھی مغرب کی نماز میں آدھ گھنٹا تھا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے شرمندگی سے بچا لیا۔

مغرب کی اذان ہوئی تو میں نیچے آئی۔ شاہد آئے تو میں نے انھیں کہا ''میں گھر جانا نہیں چاہتی۔ ہم ایک رات خانہ کعبہ میں گزارنا چاہتے تھے تو آج کی رات ہی کیوں نہیں؟''

شاہد کہنے لگے ''پھر کسی دن پروگرام بنا کر آئیں گے۔''

ہم رات گئے گھر آ گئے۔

خانہ کعبہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کوئی بھولا رہ ہی نہیں سکتا۔ سب کے لیے پہلی دعا بلاوے کی اور پھر دیگر دعائیں کیں۔ وہاں وہ بھی یاد آئے جنھیں بچھڑے مدتیں ہوگئی

تھیں۔ پہلے عمرے کے دوران میں اپنے گھر، محلے، رشتہ دار، کالج کے ساتھی، اکادمی ادبیات، جسے ہمیشہ میں اپنا میکہ کہتی آئی ہوں، یہ الگ بات کہ میکے کی جانب سے پہنچنے والی معمولی تکلیف بھی سانس اکھیڑ دیتی ہے، سبھی کے لیے دعائیں کیں۔ دل مطمئن تھا کہ جس جس نے دعا کے لیے کہا تھا یا لکھ کر دیا تھا اور جن سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی، سبھی کے لیے دعا کی۔

واحدہ کو دو وہئ گئے کتنے ہی سال ہو گئے ہیں وہ بار بار یاد آئی۔ سعی کے لیے صفا و مروہ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں سیاہ چمکیلے صفا کی چوٹی تک یہ سوچے بغیر ہی تیزی سے چڑھ گئی، کہ چوٹی تک جانے کی اجازت حضور ﷺ کی طرف سے نہیں دی گئی۔ وہاں اور لوگ بھی موجود تھے۔ اسی تیزی سے نیچے آئی، دو ایک منٹ لگے ہوں گے پھر سعی کا آغاز کیا۔

ابھی دوسرا چکر تھا کہ عزیز دوست عابدہ سامنے سے آتی دکھائی دی، حیران ہوئی کہ عابدہ یہاں کہاں، پھر یاد آیا کہ انھی دنوں اچانک اس کے شوہر کا انتقال ہوا تھا۔ اُس دن چھٹی سے دو منٹ پہلے میں نے اس کے شوہر کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا اور اس نے اطمینان کا اظہار کیا تھا، مگر جب وہ گھر پہنچی تو تین سال کا بندھن ٹوٹ چکا تھا۔ کچھ لوگوں کو اللہ میاں اس دنیا میں بھیجتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ اپنی تمام زندگی بغیر کسی صلے کے دوسروں کی خدمت کرتے گزار دیں۔ اتنے میں وہ خاتون قریب آ گئیں، وہ کہیں سے بھی عابدہ سے نہیں مل رہی تھیں۔ مجھے احساس ہوا، چونکہ میں اپنی اس عزیز دوست کو اب تک یاد نہ کر سکی تھی یہ یاد آوری کا بہانہ تھا۔

اسی طرح ہمیں مکہ آئے دس بارہ روز ہو گئے تھے، ہم نمازِ مغرب کی ادائیگی کے

لیے کھلی چھت پر چلے گئے، خانہ کعبہ کا نظارہ کرتے رہے، نماز کے بعد برابر بیٹھی خاتون کی طرف نگاہ کی، ان کی شکل مسز مظہر کی طرح لگی، مسز مظہر کے لیے دعا کی، ان خاتون کو دوبارہ دیکھا تو کہا کہ نہیں یہ ثروت کی نند کہکشاں کی طرح ہے، یہ یاد آئیں تو ان کے لیے دعا کی اور پھر فوراً ہی وہ یاد آئے جن کے لیے سوچا تھا کہ سب سے پہلے دعا کروں گی، احساس ندامت نے شرابور کر دیا۔

ثروت کے بھائی شاہد کی شادی کو دس سال ہوئے ہوں گے لیکن دونوں میاں بیوی نہایت کم عمر معلوم ہوتے ہیں، دو بیٹے ایک سات سال کا دوسرا پانچ سال کا، دونوں کسی نامعلوم بیماری کا شکار ہوئے، کوئی ڈاکٹر حکیم نہ چھوڑا، پیسہ پانی کی طرح بہایا، لیکن بے سود، رمضان کا مہینہ آیا، ماں نے بیٹے کی تیمارداری سے وقت نکال نکال کر عید کا جوڑا تیار کیا، سات سالہ بچے کے لیے تقدیر نے بھی ایک لباس تیار کر رکھا تھا اور تقدیر کے سامنے کس کی چلتی ہے، ماں کی بھی نہیں۔عید کا بھی انتظار نہ کیا۔سفید لبادہ اوڑھا اور منوں مٹی میں جا سویا۔ دوسرے بھائی نے چھ ماہ بھی جدائی برداشت نہ کی اور ماں باپ دادی کو چیختا چلاتا چھوڑ کر بھائی کے پاس پہنچ گیا۔ ان کا غم دیکھا نہ جاتا تھا۔ ہر وقت دل سے دعا نکلتی تھی۔''اے اللہ کوئی نظر کرم ادھر بھی''

اب جب وہ یاد آئے تو آتے ہی چلے گئے اور جتنے دن وہاں رہی میرے ساتھ رہے...... اللہ نے ان پر کرم کیا اور آج ایک خوبصورت اور صحت مند بیٹا ان کے گھر کی رونق ہے۔..(یہ رونق بھی اسی عمر میں انھیں جدائی کے وسیع و عریض صحرا میں تنہا چھوڑ گئی۔اب ان کے ہاں ایک گڑیا سی انتہائی باتونی، صحت مند اور خوب

صورت بچی موجود ہے، جو ما شاء اللہ تین سال کی ہو چکی ہے۔ ڈاکٹروں نے اس کی طرف سے اطمینان کا احساس دلایا ہے، اللہ اسے صحت وتندرستی کے ساتھ سلامت رکھے۔ آمین)

اللہ جسے چاہتا ہے، عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت، اس کا مشاہدہ پاکستانی قوم سے زیادہ کس کو ہوگا۔ یہاں کے سربراہ کا مقام تخت رہا ہے یا تختہ۔ غرور بھرے سروں کو زمانے کی ٹھوکروں میں دیکھا۔ نواز شریف جیل کی تنگ وتاریک کوٹھری سے نکل کر شاہی مہمان کی حیثیت سے شاہی محل میں عین اس جگہ جہاں سے ہر لحہ خانہء خدا کا نظارہ کیا جا سکتا ہے، پہنچ گیا۔ نہیں معلوم خدا کی بارگاہ میں گنہگار کون ہے اور معصوم کون؟ ہم تو یہ بات سننے کے عادی ہو چکے ہیں کہ ہماری پارٹی کا کوئی شخص مرتا ہے تو ہم اسے شہید کہتے ہیں اور دوسری پارٹی کا کوئی شخص مرتا ہے تو ہلاک ہوتا ہے۔ لگتا ہے یہ سب رب کے نہیں ہمارے ہاتھ میں ہے۔ بھٹو ہلاک نہیں، بھٹو شہید۔ ضیا الحق شہید، نہیں ہلاک؟...... تو وہاں باب عبد العزیز میں نواز شریف کو کئی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہی سرخ وسفید رنگت، سفید کھڑ کھڑاتا لباس، وہی شاہانہ انداز، دائیں بائیں شرطے جلو میں، میں نے شاہد سے کہا ''یہ تو کہیں سے نہیں لگتا کہ کوئی سخت سزا کاٹ کر آیا ہے۔''

کہنے لگے'' ہمارے ہاں قیدی قیدی میں فرق ہوتا ہے۔ عام قیدی کمر درد کی شکایت کرے تو اسے دوا دینے کی بجائے لات ماردی جاتی ہے، جبکہ ان کی کمر میں درد ہو تو علاج سوئمنگ پول تجویز ہوتا ہے۔''

نواز شریف مدینے بھی باقاعدگی سے جاتے رہتے ہیں یہ وہ مقام ہے کہ نفس گم کردہ می آید جنیدؒ وبایزیدؒ این جا، حیرت ہے کہ وہاں جا کر سیاہ مرسڈیز کاریں اور چار چار

گارڈ کیسے یادرہ سکتے ہیں ۔ وہ تو خیر نواز شریف ہیں، یہاں ایک سرکاری ملازم کا نام، حکومت کی جانب سے قرعہ میں نکل آیا، وہاں حجاج کرام کی دیکھ بھال کے سلسلے میں، انھیں مبارک دیتے ہوئے اس خیال سے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ وہ محتاط رہیں کہ وہاں بہت سے پاکستانی خدام، حاجیوں کی رہنمائی کے بجائے صرف اپنے حج کی فکر میں رہتے ہیں، انھیں ہماری یہ بات سخت ناگوار گزری، کہنے لگے میں ایک سترہ گریڈ کا آفیسر ہوں خادم نہیں، ہم ایک دم خاموش ہو گئے کہ شاہ فیصل ہوں یا شاہ سعود بن عبدالعزیز، شاہ فہد یا سعودی عرب کا کوئی بھی فرماں روا، وہ خود کو خادمِ حرمین شریفین کہلانے میں جو فخر محسوس کرتے ہیں اس کی لذت سے وہی آشنا ہوسکتے ہیں اور جو یومِ عرفہ کے روز کہ یہی حج کا عظیم ترین اور پرہجوم دن ہے، خود تمام انتظامات کا جائزہ لینے کے لیے موجود ہوتے ہیں اور اسے ذمہ داری ہی نہیں اپنے لیے ایک اعزاز جانتے ہیں ۔

اُن دنوں پاکستان میں عظیم دانشوروں اور تخلیق کاروں سے مکالمے کا میرا ایک سلسلہ چل رہا تھا۔ ایک مرتبہ خیال آیا، کیوں نہ نواز شریف سے انٹرویو کے لیے وقت لوں، فوراً ہی خود کو سرزنش کی، کہ یہاں ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ایک انٹرویو البتہ میں کرنا چاہتی تھی اور اس کے لیے بھی وقت نہ نکال پائی ۔ وہاں جا کر ہوس آپ پر اس طرح غلبہ پاتی ہے کہ آپ ایک ایک لمحہ بلکہ اس کا ہزارواں حصہ بھی سمیٹ لینا چاہتے ہیں ۔ وہاں ترکی مصری خواتین اردگرد ہوتی تھیں ۔ ان سے گپ شپ کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرسکتی تھی ۔ مجھے لکھنے کے لیے بہت مواد مل سکتا تھا، لیکن نہیں میری ذاتی ڈائری، میرا دل اور میرا رب اس بات کی اجازت نہ دیتے تھے ۔ میری ڈائری میں میرا روز کا شیڈول درج ہوتا تھا اور میرے

شیڈول سے ہر روز کچھ نہ کچھ باقی رہ جاتا تھا اور واپسی کا وقت ہوجاتا تھا۔

وہ جن سے دل سے مکالمہ کرنا چاہتی تھی وہ جناب ٹکا خان تھے۔جنھوں نے ہمیں وہ مقام دکھایا جہاں ایام جاہلیت میں عرب اپنی بچیوں کو زندہ دفن کیا کرتے تھے شبیقہ قبرستان جائے عبرت ہے۔شاہد چونکہ مطالعہ کر کے گئے تھے، وہ ایک ایک مقام کے بارے میں پوچھتے۔ایک مرتبہ شاہد نے ان سے پوچھا۔

''خانہ کعبہ کے اندر بہت سے اہم مقامات ہیں، کہاں کہاں ہیں؟''

تو انھوں نے کہا۔

''اجازت نہیں ہے۔''

بہر حال شاہد کو انھوں نے وہ مقام معلوم دکھا دیا جہاں سے حضور پاک ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تھے، یعنی حضرت ام ہانیؓ کا گھر۔وہاں قدم رکھتے ہوئے دل لرزتا ہے، ٹانگیں کانپتی ہیں، قسمت پر رشک آتا ہے اور اپنی حیثیت کا خیال بھی۔صحن کعبہ کے بے شمار برآمدوں میں سے ایک، لوگ عبادت میں مصروف، لیکن بیشتر کو علم نہیں کہ ہم کس مقام پر ہیں۔سفید سنگ مرمر کے حضور پاکؐ کے مصلے سے ہٹ کر صلوٰۃ التسبیح کا آغاز کیا، پھر تو اکثر صلوٰۃ التسبیح یہیں آ کر پڑھی۔اس کے بالکل سامنے خانہ ءکعبہ کا رکن یمانی ہے۔حضرت ہاجرہ، حضرت اسماعیل اور ان کے دیگر دو بیٹوں کا مدفن بھی حطیم ہی میں ہے، ہمیں اس بات کا بھی علم نہ تھا۔

جناب ٹکا خان نے ترجمے والا قرآن شریف بھی دیا، ان کی معلومات سے پُر باتیں بہت کارآمد ثابت ہوسکتی تھیں، لیکن وہی خیالِ تنگیِ وقت و داماں، پھر انھیں بھی اپنے فرائض

کی ادائیگی کا بہت خیال تھا، جس میں ہم آڑے نہ آنا چاہتے تھے، خدام حرمین شریف کی قسمتوں پر رشک آتا ہے، ہر وقت باوضو، لبوں پر تسبیحات، اللہ اللہ کیا مقام ہے، انھیں اپنے گھر گئے، اپنے پیاروں سے بچھڑے کتنا عرصہ ہو گیا ہے بہر حال یہ ان سے تو ہزار درجہ بہتر ہیں، جو روٹی روزی کے چکر میں، سالوں سے امریکہ، کینیڈا، یونان، نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھان رہے ہیں، یہاں پہلے پاکستانی خدام زیادہ تھے، اب بنگلہ دیشی زیادہ ہیں کہ ان کی حکومت کم تنخواہ پر راضی ہے۔

جب ہم پہلی مرتبہ سعی کے لیے گئے تو باب ارقم کی زیارت کی، باب ارقم، دراصل حضرت مخزومیؓ کی قیام گاہ تھی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مشرکین مکہ مٹھی بھر مسلمانوں کے سخت دشمن ہو رہے تھے، وقت کے تقاضے کے تحت آپ ﷺ نے تبلیغ کا سلسلہ خفیہ رکھا۔ یہ مقام ان دنوں ان تبلیغی سرگرمیوں کا محور تھا۔ اسی مقام پر مسلمان اکٹھے ہوتے اور آئندہ کے پروگرام طے کیے جاتے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت حمزہؓ جیسے جید صحابہ ان اجلاسوں میں شریک ہوتے۔ یہ وہی مقام ہے کہ جہاں حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا، یہ حضرت عمرؓ ہی کی جرات تھی کہ مسلمان، حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ اور آپ ﷺ کی سرکردگی میں حرم پاک میں داخل ہوئے اور پہلی دفعہ مسلمانوں نے خانہ کعبہ میں نماز باجماعت ادا کی۔ قریش مسلمانوں کی اس جرات پر ششدر رہ گئے۔ حضرت عمرؓ اسی جرات و بہادری کے باعث فاروق کہلائے، یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔

مدینہ سے آئے چار چھ روز ہو گئے تھے ابھی تک زیارتوں کے لیے نہ جا سکے تھے، ایک روز صبح نو بجے ہم جناب و بیگم عابد کے ہمراہ قریبی زیارتوں کے لیے پیدل نکلے، سب

سے پہلے مولد نبیؐ کی کی زیارت کے لیے محلّہ شعبِ عامر جانے کے لیے باب فتح سے باہر آئے، پہاڑِ بوقبیس کے دامن میں واقع نہایت سادہ سا دومنزلہ مکان ہے، جہاں آج کل ایک لائبریری قائم ہے۔رنگ وروغن بھی پھیکا پڑ چکا ہے۔جبلِ بوقبیس پر بلند وبالا شاہی محلات اوران کے دامن میں ایک قصباتی مکان مولد نبیﷺ ، یہ تضاد کچھ جی کو نہ بھایا۔

وہاں سے پیدل جنت معلیٰ گئے، مقامی لوگ اسے جنت مالا کہتے ہیں، چھ ہزار صحابہ کا مدفن، دوحصوں پر مشتمل ہے، درمیان سے سڑک گزرتی ہے، یہاں آپؐ کے صاحب زادے حضرت قاسمؓ، طاہرؓ، طیبؓ، دادا حضرت عبدالمطلب ، چچا حضرت ابو طالب، حضرت عبداللہؓ بن زبیر، حضرت اسماءؓ بنت ابو بکر، ام المومنین حضرت خدیجہؓ اور بے شمار اولیا، غوث قطب، محدثین ومفکرین کی قبریں موجود ہیں، پہلے اندر جانے کا راستہ بند تھا لیکن اب کھول دیا گیا ہے، عورتوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔شاہد اور عابد صاحب اندر گئے مجھے علم تھا کہ اب وہ جلد واپس نہ آئیں گے۔میں بیگم عابد کے ساتھ اطمینان سے چھتے ہوئے بڑے سے برآمدے کے سبز بنچ پر بیٹھ گئی، فاتحہ پڑھی، درود وتسبیحات کا ورد کرتی رہی، وقفے وقفے سے اندر بھی جھانک آتی تھی۔ایک سپاٹ میدان جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ کر اس دنیا کی عظیم ترین ہستیوں کے مدفن کی نشان دہی کی گئی ہے۔

عابد صاحب اور شاہد واپس آئے۔ہم باہر نکل کر جنت معلیٰ کے دوسری جانب چلے، سڑک کے کنارے اس شہرِ خموشاں میں آنے والے باسیوں کے لیے کھدائی ہورہی تھی، معلوم ہوا کہ حرم پاک میں جو روزانہ کئی کئی جنازے لائے جاتے ہیں، ان سب کے لیے قبریں تیار ہورہی ہیں، اسی مقام پر ہر سال کھدائی کے بعد پرانی ہڈیاں اور نیچے دفن کردی

جاتی ہیں، اور نئے آنے والے مہمانوں کے لیے جگہ بنادی جاتی ہے، واللہ اعلم۔

دیر تک وہاں کھڑے ہو کر ان ہستیوں کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے رہے، کہ کس کا مدفن کون سا ہوگا، وقت نے کوئی نشان نہ چھوڑا، وقت نے یا......؟ جناب شورش کاشمیری کی کتاب ''شب جائے کہ من بودم'' میں اس تاریخی المیے کا تذکرہ نہایت دکھے دل کے ساتھ ایک نہیں، کئی مقامات پر کیا گیا ہے، ہمیں بھی اس کا تجربہ ہوا کہ شرطے ہر ایسی بات کے جواب میں ایک بلکہ دو الفاظ بولتے ہیں ''بدعت، شرک''

شورش کاشمیری کہتے ہیں'' مکہ کا چپہ چپہ تاریخی ہے، لیکن جو چیز محفوظ نہیں کی گئی وہ تاریخ ہی ہے، بیت اللہ کے علاوہ کوئی مسجد اپنی روایتوں کے ساتھ محفوظ نہیں۔''

''جنتِ معلیٰ، مکہ معظّمہ کا قدیم ترین لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل قبرستان ہے۔ منیٰ کے راستے پر مسجد الحرام سے ایک میل دور ہے، یہاں سے ایک چوڑی سڑک نکالی گئی ہے، جس سے قبرستان کے دو حصے ہوگئے ہیں، گرداگرد ایک پختہ چاردیواری ہے، کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں، سب نشان ڈھا دیے گئے ہیں، ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں، چراغ نہ پھول، کسی کسی قبر پر نشان دہی کے لیے کنکریاں پڑی ہیں، عجب ویرانہ ہے، جس حصے میں حضرت اسماءؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابو بکر، حضرت عبداللہؓ بن زبیر، حضرت عبداللہؒ بن مبارک، امام بن جبیرؒ، سعید بن حسیبؒ (کشتگان حجاج بن یوسف) کی قبریں ہیں وہاں اندر جانے کے لیے ایک دروازہ ہے، لیکن وہ قبور پر حاضری کے لیے نہیں، نئی میتوں کے لیے ہے......اور جس حصہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ان کے خاندان کے افراد آرام فرما ہیں یا......حضور ﷺ کے لختِ جگر، حضرت قاسم اور حضور کے چچا حضرت ابو طالب

مدفون ہیں، وہاں کوئی دروازہ اور کوئی راستہ نہیں ہے، ٹوٹی پھوٹی قبریں مٹی کی ڈھیریاں ہوگئی ہیں...... پوری دنیا کا کوئی اور قبرستان اس بے بسی کی حالت میں نہ ہوگا..... حضرت خدیجہ کی قبر پر نگاہ کی، ام المومنین کا مزار......؟ میں کانپ اٹھا،..... مسلمانوں نے اپنی بیویوں کے تاج محل بنا ڈالے، لیکن جس عورت کو نبی آخر الزماں ﷺ کی پہلی شریک حیات ہونے کا شرف حاصل ہوا، جو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ماں تھیں، وہ ایک قبر میں ویرانے میں پڑی ہیں...... مجھے حیرت ہوئی، کہ میں نے اس ڈھیری (لحد) کے سامنے کھڑے ہونے کا حوصلہ کیا، میں ہل گیا، ایک کپکپی طاری ہوگئی...... جس ذات اقدس کے صدقے میں عزتیں پائی ہیں اس کے آثار اقدس کی یہ بے حرمتی...... موت کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتی، جو موت کی اس طرح ہتک کر رہے ہیں موت ان سے بھی متعاقب ہے، لیکن جنت المعلیٰ میں وہ لوگ سو رہے ہیں جو ہمیں زندہ کر گئے ہیں...... سعودی حکومت عشق اور شرک میں تمیز نہیں کر سکی ہے''
......(شورش کاشمیری، شب جائے کہ من بودم، صفحہ ۷۱، ۷۲، ۷۳)

یہاں حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے غلام محمد، عمر تر اسی سال، قسم کے کتبوں کا رواج ہے، وہاں ان باتوں کی گنجائش اہل بیتؓ کے لیے بھی نہیں۔ وہاں سے چلے، اب ہماری منزل مسجد جن تھی، یہ وہ مقام ہے کہ جہاں جنات نے حضور پاک ﷺ کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے سنا، تو آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔

ہماری واپسی مکہ کی گلیوں سے ہوئی، وہاں اتنی چڑھائی تھی کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ ہماری رہائش اس جگہ نہ تھی۔ دن میں دو تین مرتبہ حرم پاک سے آنا جانا پڑے تو حشر ہوجائے۔

حج کے دن قریب آتے جا رہے تھے، ایک روز فجر کے فوراً بعد ناشتہ کیا اور زیارتوں کے لیے جانے والی سواری کی تلاش میں نکلے، دو افراد کے لیے ٹیکسی لینا خاصا مہنگا سودا تھا، بسوں کا کچھ پتا نہ تھا کہ کہاں سے ملیں گی، شرطے کبھی ایک چوک کی طرف بھیجتے تو کبھی دوسرے کی طرف، لیکن کچھ علم نہ ہوا، ویگن والے دو افراد کو بٹھانے پر راضی نہ ہوئے، وہ دس نفر کا مطالبہ کرتے، کہ دو دو چار چار سواریاں اکٹھی کرنا انھیں پسند نہ تھا، وہ گروپ لے جانے کے عادی تھے۔تھک کر واپس آ گئے، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شاید وہ ڈائری اور کیمرہ گھر بھول آئے تھے، جن میں مختلف کتابوں، خاص طور سے جناب جمال ڈسکوی کی کتاب ''میرے حضور ﷺ کے دیس میں'' سے ان تمام مقامات کے نام اور حدود اربعہ نوٹ کر رکھا تھا، خیال تھا کہ ڈائری بھی لے لیں گے اور منیر صاحب سے بھی پوچھ لیں گے کہ وہ بھی ابھی تک زیارتوں پر نہ جا سکے تھے، ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان کا کوئی اور پروگرام ہے۔ہم نے تھیلا دوبارہ تیار کیا یعنی ڈائری کیمرہ کے ساتھ احرام بھی تھیلے میں ڈالا۔اگر زیارتوں کا موقع نہ بن سکا تو عمرے کے لیے مسجد عائشہؓ چلے جائیں گے۔ایک پروگرام یہ بھی تھا کہ آج منیٰ کا پیدل راستہ ہی دیکھ آئیں گے، آخری تجویز سے مجھے اتفاق نہ تھا، کہ جب جانا ہوگا تو خود ہی راستہ معلوم ہو جائے گا اور جب ہماری نیت ہی پیدل جانے کی ہے تو پھر اس کا کیا سوال کہ کتنا دور ہے، ایسے ہی وقت ضائع ہوگا۔

حرم پاک کے راستے پر تھے کہ ایک بھری ہوئی ویگن قریب آ کر رکی، کنڈیکٹر ''زیارہ زیارہ'' پکارتا آ گیا۔معلوم ہوا کہ ایک بنگلہ دیشی گروپ زیارتوں کے لیے جا رہا ہے صرف دو افراد، یعنی ہماری ہی تلاش تھی۔اگلے چند سیکنڈوں میں ہم زیارتوں کے لیے بنگلہ

دیشی گروپ کے ساتھ رواں تھے۔

چھ مرد اور چار عورتیں، گروپ لیڈر ڈھاکا کی جامع مسجد کے امام تھے، یہ ان کا اٹھارواں حج تھا۔خواتین ذرا جھجکتی تھیں لیکن مرد حضرات تو ہم پاکستانیوں سے ایسے ملے، جیسے صدیوں کے بچھڑے بھائی۔فیض کی نظم ''ہم کہ ٹھہرے اجنبی'' کانوں میں گونجتی رہی۔وہ پاکستان کے سیاسی، مذہبی، تعلیمی اور معاشی حقائق جاننے کے لیے مضطرب تھے، خاص طور سے شیخ عبدالقاسم جو ڈھاکا کا سپریم کورٹ کے وکیل ہیں، دوران سفر کھل کر باتیں کرتے رہے۔

انھوں نے بتایا کہ بنگلہ دیشی حکومت حجاج کرام کا ۳۵ فیصد خرچ برداشت کرتی ہے، ہندوستانی حکومت ۵۰ فیصد اور اسی طرح دیگر اسلامی ممالک کی حکومتیں حاجیوں کے خرچ کا بڑا حصہ برداشت کرتی ہیں۔

شیخ صاحب اپنی کہتے رہے ہماری سنتے رہے۔ان کے لہجے میں اتنی اپنائیت تھی کہ احساس ہوتا تھا شاید ہم مدتوں سے ان کے ساتھ ہیں، پھر ہر جملے کا آغاز وہ شاہد بھائی سے کرتے ،نفسیات کا یہ نکتہ سامنے آیا کہ جب آپ نام لے کر مخاطب کرتے ہیں تو اجنبیت کی دیواریں بہت جلد گرا دیتے ہیں اور ہم اپنے خول میں سمٹے ہوئے وہ لوگ کہ جنھوں نے ان سے ان کا نام بھی نہ پوچھا، اگر وہ سفر کے اختتام پر ہمارا پتہ نہ لیتے تو شاید ہم بھی انھیں تکلیف نہ دیتے۔

ڈرائیور نہایت مشاق تھا، مکہ کی کھلی سڑکیں، ٹریفک نام کو نہ تھا، خشک چٹانی پہاڑوں اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں والے ریتلے میدانوں کو تیزی سے پیچھے چھوڑتا، ہمیں

منٹوں میں جبل ثور لے گیا۔یہی وہ مبارک جگہ ہے جہاں ہجرت مدینہ کے وقت آپ نے اپنے یارِ غار حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تین روز قیام کیا تھا۔اس پتھر یلے چٹانی پہاڑ پر، جس کی چڑھائی بے حد خطرناک ہے، حضرت اسماؓ کس طرح آپ کو کھانا پہنچاتی ہوں گی۔ اب تو پہاڑ کے دامن تک سڑک موجود ہے، پہلے تو پہاڑ در پہاڑ ایک سلسلہ تھا، ایک لڑکی کے لیے تن تنہا سب کی نظروں سے چھپ کر جانا کتنا مشکل ہوگا۔ اس مشکل مقام کو منتخب کرنے میں بھی مصلحت تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غار کی جھاڑ پونچھ کی، حضور ﷺ آپؓ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے، حضرت ابوبکرؓ نے غار کے تمام سوراخ بند کر دیے، ایک سوراخ بند کرنے کے لیے کپڑا نہ بچا، اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا، یہ سانپ کا بل تھا، سانپ نے انھیں ڈس لیا، تکلیف کی شدت سے آنکھ میں آنسو آ گئے۔حضور ﷺ کو علم ہوا تو لعاب دہن لگایا، زہر کا اثر زائل ہوا۔

غارِ ثور کے قریب ایک چرواہے کا بت ہے، جس نے کفار مکہ کو خبر دی تھی کہ اس نے دو آدمیوں کو اس طرف جاتے دیکھا ہے۔ اس مخبری پر حکمِ ربی نے اسے پتھر کا بنادیا، سنا ہے کہ اس سال حکومت نے اسے تڑوا دیا ہے، حالانکہ یہ تو نسلِ انسانی کے لیے قیامت تک عبرت کا نشان تھا، اس سے تو بوئے شرک نہ آتی تھی۔

گروپ لیڈر نے بنگلہ زبان میں نہایت پُر تاثیر دعا کی، الفاظ تو سمجھ میں نہ آئے لیکن روح تک تاثیر اتر گئی، ہم بھی سب کے ساتھ آمین کہتے رہے۔

اب ہمارا رخ میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت کی جانب تھا، جبل رحمت پر انھوں

نے پھر دعا کی بعد میں سب نے اپنی اپنی دعائیں مانگیں۔ اس سے پہلے کہ وہ واپسی کا قصد کرتے، میں نے اور شاہد نے جبلِ رحمت پر جانے کی اجازت چاہی، جو مل گئی۔ اس مختصر سے پہاڑ پر سجے سجائے اونٹ، بے شمار زائرین اور سفری دکانوں کی بہتات تھی۔ اپنا آپ اچھا لگا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمیں بھی اس مقام کو دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

جبلِ رحمت کہ جہاں حضور ﷺ نے آخری خطبہ دیا، ایک لاکھ مسلمانوں کے مجمع میں آپ نے خون اور مال ایک دوسرے پر اس طرح حرام قرار دے دیے تھے جیسا کہ اس دن کی حرمت ہے، امانت کی حفاظت، خون کے دعوئی کا خاتمہ، قصاص اور دیت کے اصول، بنی نوع ایک آدم کی اولاد، برتری اور فوقیت کا خاتمہ، حرام و حلال میں تمیز، عورتوں کے حقوق وفرائض اور غلاموں سے حسنِ سلوک، غرض اس خطبے میں انسانی زندگی کا وہ منشور ہے جو رہتی دنیا تک کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

جبلِ رحمت کے سفید دیوار نما ستون پر شرطے پہرہ دے رہے تھے۔ دو نفل شکرانے کے ادا کیے، دعائیں جتنی یاد تھیں، اللہ کے حضور پیش کیں۔ فریاد کی میرے مولا جو کچھ میرے لیے خیر ہو، مجھے عطا ہو۔

جبلِ رحمت سے میدانِ عرفات کا نظارہ بخوبی کیا جا سکتا ہے، اس خیال سے کہ ہمارے بنگلہ دیشی بھائی انتظار کر رہے ہوں گے، جلدی جلدی نیچے اترتے۔ اترتے ہوئے اچانک مجھے اپنے پہلو میں درد کا احساس ہوا ''گردے کی تکلیف؟'' اس احساس سے میں کانپ اٹھی، ابھی تو ایامِ حج سر پر ہیں، شاہد میری تکلیف سے بے خبر تیزی سے نیچے اتر رہے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے میں، بنگلہ دیشی بھائی کہیں نظر نہ آ رہے تھے۔ شاہد انھیں دیکھ رہے

تھے اور درد میرے ذہن پر سوار ہونے لگا تھا۔ مجھے ایک قطار میں پانچ چھ نلکے نظر آئے، میں ان کی طرف لپکی اور تیزی سے ایک گھونٹ پانی پیا کہ کہیں شاہد بھی نظروں سے اوجھل نہ ہو جائیں۔ اسی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ درد نام کی کوئی چیز میرے قریب بھی پھٹکی نہ تھی۔ کیا پانی میں اتنی تاثیر ہوتی ہے یا یہ اس مقام کا اثر تھا یا میں نے خوف زدہ ہوکر جو دعا مانگی تھی کہ میرے مولا ابھی تو حج کا سارا سلسلہ باقی ہے مجھے کچھ نہ ہو، اللہ نے اسے شرفِ قبولیت بخشا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ بنگلہ دیشی بھائی اگر ہمارے انتظار سے اکتا کر یا ڈرائیور کے بڑبڑانے پر چلے گئے ہوں تو کیا ہوگا؟ لیکن ایسے خدشے بے بنیاد ہوا کرتے ہیں، وہ ہمارے منتظر تھے۔ ہماری اگلی منزل مسجدِ نمرہ تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کردہ اس مسجدِ نمرہ سے اپنائیت کے احساس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ ہم ہر سال بہت ذوق وشوق سے میدانِ عرفات کی حدود سے کچھ باہر، نمرہ کے مقام پر قائم اس مسجد سے امام صاحب کا خطبہ سنا کرتے ہیں، اس نہایت عالی شان اور وسیع وعریض مسجد کو دیکھ کر انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مسجدِ مزدلفہ جسے مشعر الحرام بھی کہتے ہیں اور منیٰ کی مسجدِ خیف ایک سانس میں دیکھیں۔ پھر جمرات، تینوں شیاطین کے نشانات جہاں حاجی رمی کرتے ہیں۔ امام صاحب نے حضرت ابراہیمؑ اور شیطان کے درمیان ہونے والے مکالمے عالمانہ انداز میں مختصراً سنائے کہ کس طرح اور کس کس مقام پر شیطان نے انھیں بہکانے کی کوشش کی اور منہ کی کھائی۔ اسی واقعے کی یاد میں حجاج کرام دس گیارہ اور بارہ ذی الحج کو تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارتے ہیں۔ شیطان تو ایک ہی تھا لیکن ان تین مقامات پر حضرت ابراہیمؑ نے

اسے پتھر مارے تھے۔

ڈرائیور نے ویگن کا رخ حرم پاک کی طرف موڑ دیا تو امام صاحب نے شور مچا دیا ''جبلِ نور، جبلِ نور'' نام تو جانا پہچانا لگا مگر فوری طور پر کچھ یاد نہ آیا کہ جبلِ نور کی وجہِ شہرت کیا ہے؟ چپکے سے ڈائری کھولی، لکھا تھا ''جبلِ نور، غارِ حرا......'' کس قدر شرمندگی ہوئی اپنی ذہنی حالت پر، کہ سب سے اہم مقام یا داشت کی چادر سے ڈھل گیا تھا۔ بنگالی میں کی گئی دعا، لہجے کی روانی، الفاظ کا زیر و بم، جب دل کے سوز و گداز سے مل کر اشکوں کو رواں، جسم کو کپکپاہٹ عطا کر دیتا ہے، تو پھر حرفوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔

غارِ حرا ایک نہایت مشکل چڑھائی جہاں عقیدت مند چڑھتے ہوئے دور سے باریک چیونٹیوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ دانش یاد آیا کہ وہ ہوتا تو غارِ حرا پر بغیر سوچے سمجھے چڑھ جاتا اور اس کے پیچھے پیچھے ہم بھی کمر ہمت کس لیتے۔ مگر ہمارے بنگالی بھائیوں کا پروگرام نہ تھا۔

''حکومت کے لیے کچھ مشکل نہیں کہ غارِ حرا تک چڑھائی آسان کر دے۔ سوال ایک شارع (شاہراہ) کا ہے اتنے حصہ کو ایک پختہ روش دے کر سہل کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی دو چار چیزیں محفوظ کر لی جائیں تو عیب کیا ہے؟ اس سے قرآن و سنت کی خلاف ورزی کہاں ہوتی ہے اور کہاں منشائے ایزدی کی نفی ہوتی ہے۔ آخر حکومت خود کو بھی تو محفوظ کر رہی ہے، اگر شریعت کا اتنا ہی خیال ہے تو شریعت یہ نہیں کہ جبلِ نور یتیم پڑا رہے اور اس کی نگہ داری سے قطع نظر کیا جائے۔ شریعت کے احکام معاشرہ اور ریاست کے لیے ہیں، آثار و مظاہر کے لیے نہیں کہ ان پر سختی برتی جائے، جہاں اجتہاد لازم ہے وہاں اجتہاد کا نام بدعت

بلکہ بغاوت رکھ دیا جائے ......(شب جائے کہ من بودم،شورش کاشمیری، صفحہ۶۵)

واپسی پر امام صاحب نے دور سے مسجدِ جن دکھائی، یہ وہ مقام ہے جہاں جنات نے حضورر ﷺ کی زبان سے قرآن سنا اوراسلام قبول کیا، آپؐ کے ہاتھ پر اطاعت کا عہد کیا، یوں آپ ﷺ جن وانس دونوں کے لیے رسولؐ بنا کر بھیجے گئے۔ جس طرح انسانوں کے لیے آپ ﷺ کو نبی آخر الزماں نہ ماننا کفر ہے اسی طرح جنوں کے لیے بھی آپ ﷺ کو نبی نہ ماننا کفر ہے۔ امام صاحب کی اس مسجد کی نشان دہی پر ہم کچھ پریشان ہوئے کیونکہ چند روز پہلے ہم جنت معلیٰ کی زیارت کے بعد ایک ڈیڑھ فرلانگ آگے گئے تو ہمیں ایک مسجد نظر آئی تھی، محافظ نے اسے مسجدِ جن بتایا تھا۔

شیخ صاحب نے اپنا پتا دیا اور ہمارا لیا اور انتہائی تپاک اور محبت سے ہمیں رخصت کیا۔ یہاں پاکستان آ کر ہم نے ان کے دیے گئے پتے پر ان کے ہمراہ کھنچی ہوئی تصاویر بھجوا دی تھیں، جس کی رسید نہیں ملی، اللہ کرے انھیں مل گئی ہوں۔ ہمیں اس بات کی خوشی تھی کہ ہم کب سے زیارتوں کا پروگرام بنارہے تھے اور پروگرام بنا تو انتہائی مہربان اوراہل علم لوگوں کے ساتھ، جو محبت کرنا جانتے بھی ہیں اور دوسروں کے دل میں گھر کرنے کا فن بھی انھیں آتا ہے۔

خانہء کعبہ میں ان دنوں کوئی دن بلکہ کوئی نماز ایسی نہیں ہوتی کہ جب ایک دو اور بسا اوقات تو دس دس میتوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ نہ ہوتی ہو، جن میں حاجیوں کے علاوہ مکہ کے گرد ونواح کے مرحومین بھی شامل تھے۔ ہمارے ہاں خواتین کا نماز جنازہ پڑھنے کا دستور نہیں، لیکن وہاں عربی ترکی اور انڈونیشی خواتین کو جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھتے

دیکھا، جبکہ ہم پاکستانی خواتین فاتحہ پڑھ کر دعائے مغفرت کر لیتی تھیں۔

سعودی عرب میں قانون بہت سخت ہے۔ کسی غلطی میں معافی کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قانون کی پابندی اور سختی صرف غیر ملکیوں کے لیے ہے۔ ایک دل دکھا دینے والا واقعہ تو ہماری بلڈنگ میں رہنے والے ایک پاکستانی نوجوان کے ساتھ پیش آیا۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ حج کے لیے آیا تھا۔ حرم پاک میں قدم قدم پر بے شمار کیمرے لگے ہیں جو لمحہ بہ لمحہ اپنا رخ بدلتے رہتے ہیں، جن سے آپ کی کوئی جنبش پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اس کے باوجود طواف کے دوران میں جیب کترے وارداتیں کرتے رہتے ہیں۔ حاجی عموماً تمام رقم اپنی کمر بیلٹ میں رکھتے ہیں، جو نہ صرف جیب کتروں کا نشانہ بنتی ہے بلکہ واردات کے دوران میں حاجیوں کے جسم پر کٹ بھی لگ جاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک واردات کا مشاہدہ اس پاکستانی نوجوان کو ہوا۔

ایک روز وہ نوجوان طواف میں مصروف تھا۔ اس کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جو نہایت چابکدستی سے ایک حاجی کی جیب کاٹنے میں مصروف تھا۔ نوجوان آیاتِ ربانی کا ورد کر رہا تھا اور ششدر تھا کہ اس مقام پر ایسا گھناؤنا فعل کرتے ہوئے ان مجرموں کے ہاتھ کانپ کیوں نہیں جاتے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بڑی کامیابی سے اپنا کام مکمل کر کے ایک غریب الوطن حاجی کو مصائب کے ختم نہ ہونے والے سلسلے سے دوچار کر دیا۔ ابھی اس سانحے کے حصار میں گومگو کی حالت میں ہی تھا کہ شرطے تیزی سے اس جیب تراش کی طرف لپکے اور کھینچ کر باہر لے گئے۔ وہ ابھی شکر کا سانس نہ لینے پایا تھا کہ شرطوں نے اسے بھی قابو میں کر لیا۔ وہ جو ابھی اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں کی معافی چاہ رہا اس بری طرح

شکنجے میں آیا کہ اسے کچھ سجھائی نے دیا۔ وہ حیرت زدہ تھا کہ معاملہ کیا ہے؟ اور پھر اسے معلوم ہوا کہ اس پر الزام ہی نہیں لگا بلکہ جرم ثابت ہو چکا ہے کہ وہ اس جیب تراش کا ساتھی ہے، کیونکہ وہ اسے جیب کاٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اگر اس کا ساتھی نہ ہوتا تو ضرور شور مچاتا یا کم از کم اپنے قریب طواف کرنے والے کسی حاجی کو تو بتا دیتا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ بھی شریک جرم ہے۔ ثبوت میں ویڈیو ریکارڈنگ تھی۔

اس حادثے کے باعث بڑی پریشانی تھی۔ اس کی ماں نے پردیس میں کس کس کے آگے فریاد نہ کی ہوگی۔ رب ذوالجلال کے سامنے کتنا گڑگڑائی ہوگی، لیکن کہیں شنوائی نہ ہوئی۔ اس میں کیا مصلحت ہے وہی جانتا ہے۔ دو چار دن بعد سنا کہ فیصلہ ہو گیا ہے۔ جیب تراش کے لیے چار ماہ قید، چار ماہ کے مسلسل روزے اور ہاتھ کاٹنے کا حکم۔ جب کہ ہمارے پاکستانی بھائی کے لیے چار ماہ قید، چار ماہ کے مسلسل روزے اور سو کوڑوں کا حکم۔

پوری بلڈنگ میں اس واقعے کے خلاف شدید بے چینی پائی جاتی تھی لیکن سب بے بس تھے۔ ایک پڑھے لکھے، مضبوط معاشی اور خاندانی پس منظر رکھنے والے بے گناہ شخص کے ساتھ یہ ناانصافی، بات مضبوط پس منظر کی نہیں صرف بے گناہی کی ہے کہ حضور نے بھی قریش کے ایک بڑے خاندان کی عورت کو چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی تھی۔ سنا ہے دکھیاری ماں اکیلی پاکستان واپس آئی۔

جیسے جیسے حج کے دن قریب آتے جا رہے تھے حجاج کرام کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ گداگروں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ معذور گداگروں میں ایک دم اضافہ ہو گیا، معلوم ہوا کہ حج کے موسم میں گداگروں کی تجارت کرنے والوں کی بھی چاندی ہو جاتی ہے۔

یمن، شام، صومالیہ اور نہ جانے کن کن مما لک سے گداگروں کو یہاں پہنچایا جا تا ہے، پھر مقامی حبشی گداگروں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں، بعض خاندان تو بیچ سڑک کے اس ترتیب سے بیٹھتے ہیں کہ سب سے پہلے ایک سالہ بچہ، پھر دو سالہ، پھر چار سالہ اور اسی طرح دو چار بچے، اور آخر میں ان کے ماں باپ۔

گداگروں کی یہ کھیپ بیرون ملک سے ہی نہیں پہنچتی بلکہ حج کے دنوں میں اندرون ملک کے تمام گداگر بھی یہاں پہنچ جاتے ہیں......

''نماز کے بعد گھر واپسی پر جس چیز کی کمی محسوس ہوئی وہ گداگر تھے۔ گداگر جو کافی سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے مدینہ منورہ کی بجائے یقیناً مکہ مکرمہ اور منیٰ میں مصروف عمل ہوں گے''......(قدسیہ کرمانی، رپورٹر، اردو نیوز، ۴ امارچ ۲۰۰۱ء)

ان گداگروں سے زیادہ تکلیف دہ وہ گداگر تھے جنھیں سفید پوش گداگر کہنا مناسب ہوگا۔ حرم پاک میں پہلا روز، مغرب سے کچھ پہلے کا وقت، شاہد نے کہا۔

''تم باب عبدالعزیز کے پاس موجود رہنا میں نماز کے بعد ڈالر ریال میں بدلوانے جاؤں گا۔ مجھے کچھ دیر ہو سکتی ہے۔''

وہ رخصت ہوئے، میں اپنی عبادت میں مصروف ہوگئی۔ ایک ادھیڑ عمر کا شخص، جو لہجے سے پاکستانی معلوم نہ ہوتا تھا، میرے قریب آ کر کہنے لگا ''پاکستانی؟''

میں نے اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگا ''بہت پریشانی میں ہوں۔ مدینہ میں میری بہو کا پرس کسی نے اٹھا لیا، اس میں تمام رقم اور ٹریولرز چیک تھے، ہمارے پاس اب کھانے کو کچھ نہیں، چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ ہیں۔''

اس نے بچوں کی طرف اشارہ کیا۔تین چار بچے، ایک جوان اور ایک ادھیڑ عمر خاتون نظر آئیں، جونہایت لاتعلقی سے بیٹھی تھیں ۔اتنے میں ایک جوان آدمی بھی اٹھ کر آ گیا۔''دیکھیں ہمارے بچے کتنی دیر سے بھوکے ہیں ہم انھیں آب زمزم پلا کر وقت گذار رہے ہیں۔''

میں نے کہا''ٹریولرز چیک کھوئے ہیں تو کوئی بات نہیں ،آپ بنک اطلاع کریں، آپ کا یہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔آپ بجائے ایک ایک کو اپنا مسئلہ بتانے کے، بلڈنگ والوں کو یا پاکستان ہاؤس میں کیوں نہیں بتاتے۔''

لیکن وہ باپ بیٹا یہی کہتے رہے کہ آپ کو جو مدد کرنا ہے وہ کردیں۔میں نے انھیں بار بار کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، کچھ دیر بعد میرے شوہر آئیں گے تو میں جو کچھ ہوسکا وہ ضرور کروں گی ۔دل میں سوچا کہ اگر یہ فریب دے رہے ہیں تو بھی انھوں نے مجھ سے حرم پاک میں خانہء کعبہ کے سامنے سوال کیا ہے، میں ان کی ضرور مدد کروں گی ۔

شاہد ابھی تک نہ آئے تھے اور وہ بار بار مجھے کہہ رہے تھے آپ کو جو دینا ہے، دے دیں، ہم کوئی آپ سے ادھار تو نہیں مانگ رہے، جو آپ اتنا سوچ رہی ہیں ۔مگر میرے پاس کچھ ہوتا تو ضرور دے دیتی ۔

اتنے میں شاہد سامنے سے آتے دکھائی دیے۔میں فوراً ان کے پاس پہنچی اور تیزی سے ساری روداد سنا کر کہا۔

''میں خود سے اور ان سے بھی مدد کا وعدہ کر چکی ہوں ، مجھے ایک معقول رقم چاہیے۔''

شاہد نے کہا ''ٹھیک ہے''

مڑ کر میں نے دیکھا وہ باپ بیٹا کہیں نہ تھے۔ ماں بیوی اور بچے بھی غائب تھے۔ میں نے انھیں بہت تلاش کیا لیکن وہ نظر نہ آئے۔ افسوس ہوا کہ میں ان کی مدد نہ کر سکی۔

شاہد نے کہا ''زیادہ افسوس نہ کرو۔ انھوں نے تمھیں مجھ سے روداد کہتے دیکھا تو ڈر گئے کہ نہ جانے کون ہے؟ کہیں گداگری کے جرم میں ہم اندر ہی نہ ہو جائیں۔''

کعبہ کے سائے میں مالک دو جہاں سے مانگنے کی بجائے ہم تہی دستوں کے آگے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ ہم کیا کسی کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں اور ہماری امداد انھیں کیا پوری پڑے گی۔ ہر ایک غالب تو نہیں ہوتا کہ رب سے سوال نہ کرنے میں بھی اپنی مروت اور لحاظ ہی کو ذمہ دار ٹھہرائے۔

دونوں جہاں دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

ایک گداگر سے شاہد کی ملاقات مسجد عائشہ میں ہوئی، احرام میں ملبوس نہایت شائستگی کے ساتھ سلام دعا کے بعد گویا ہوئے۔

''ہم رمضان میں عمرہ ادا کرنے آئے تھے، حج کے لیے رک گئے۔ اب زادِ راہ ختم ہو چکا ہے، مدد کیجئے۔''

شاہد نے کہا ''اس کا مطلب ہے آپ غیر قانونی طور پر مقیم ہیں، پکڑے گئے تو؟''

کہنے لگے ''چھپ چھپا کر گزارا کر لیتے ہیں، امید ہے پکڑے نہیں جائیں گے۔''

شاہد ان سے معذرت کر کے آگے چلے گئے۔ جب غسل، احرام کر کے باہر آئے،

موصوف کوغسل خانوں اور مسجد عائشہ کے درمیان والے باغیچے میں نہایت آسودگی سے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ درخت کے نیچے دری ڈالے پکنک مناتے ہوئے پایا۔تھرمس بسکٹ، چپس،ڈرنکس وغیرہ سب موجود تھے۔

حج کے بعد ایک روز فجر کی نماز کے بعد ہم نے سوچا کہ آج باب فہد کے مقابل جو پلازہ ہے اس کو دیکھا جائے۔پچھلے دروازے سے نکل کر اپنی بلڈنگ کی سڑک پر پہنچ جائیں گے۔روز ہی وہاں سے گزرتے تھے کبھی اندر جھانکنے کا خیال نہ آیا تھا۔کیا مارکیٹ تھی۔ ہمارے ایف ٹن مرکز یا جناح سپر اس کے مقابلے میں کیا ہیں۔بیکری نظر آئی، انواع واقسام کی مٹھائیاں، کوکیز بسکٹ، نانیاں اور وہ چیزیں جنھیں پہلی دفعہ دیکھا تھا، نہایت خوشنما اور اشتہا انگیز۔کھجور کی شکل کی مٹھائیاں، جن پر اصلی کھجوروں کا گمان ہوتا تھا۔اس کے سامنے خوشبویات کا ایک جہاں آباد تھا۔آگے گئے تو کرسٹل کے فانوس اور آرائش اشیاد یکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔چیزوں کی نفاست اپنی جگہ،مگر جس طرح دکانیں سجی ہوئی تھیں، ان کا سحر گرفتار کرلیتا تھا۔ہم نے یہ سب دکانیں باہر سے دیکھیں،صرف ایک دکان میں داخل ہوئے اور وہاں کافی وقت گزارا، کتابوں کی دکان میں ہر موضوع پر کتاب دستیاب تھی، ہر موضوع کا الگ شعبہ تھا، ظاہر ہے کہ قرآن وتفسیر کا بہت بڑا ذخیرہ تھا،نہیں تھا تو اردو ترجمے والا قرآن پاک،جبکہ دیگر کئی زبانوں میں ترجمے والے قرآن شریف موجود تھے۔

آگے گئے تو ریستوران، جس میں داخل ہونے کی ضرورت نہ تھی، اچانک ہی کھانے کی میزیں اور سجے ہوئے بوفے،ماحول پر چھا گئے،لوگ ناشتہ کر رہے تھے۔چمکتی مکمل شیشے کی بنی ہوئی لفٹیں،جن پر سوار لوگ اوپر نیچے اُڑتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ابھی

بہت صبح تھی لیکن سوچا کہ پھر ادھر آیا جائے یا نہ، کچھ کھا پی لیا جائے۔

ہمیں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ ایک صاحب سفید کاٹن کا کھڑ کھڑاتا لباس پہنے، شکل و انداز سے کافی معتبر جوان معلوم ہو رہے تھے، شاہد کے پاس آ کر وہی داستان دہرائی۔

''عمرے کے لیے کشمیر سے آیا تھا حج کے لیے رک گیا ہوں، پیسے ختم ہو گئے ہیں، چالیس پچاس ریال کی مدد کر دیں۔''

شاہد نے لمحہ بھر سوچا، پھر اسے صاف جواب دے دیا۔ مجھے اچھا نہ لگا، میں نے کہا۔

''حضور پاک ﷺ نے کہا ہے کہ کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ اس کی مدد ضرور کرو، خواہ کھجور کے ٹکرے جتنی ہی کیوں نہ ہو۔ آپ چالیس ریال نہ سہی آٹھ دس ریال تو دے سکتے تھے۔''

کہنے لگے ''سوچا تو میں نے بھی یہی تھا۔ پھر خیال آیا کہ یہ شخص برابر والی میز سے اٹھ کر ہمارے پاس آیا ہے۔ ہم سے کہیں اچھا ناشتہ اس نے کیا ہے، تو میں فورسٹار میں ناشتہ کرنے والے کو بھیک دینے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔''

محنت میں عظمت ہے، بچپن میں اس موضوع پر مضمون رٹے تھے اس لیے بڑے ہو کر انھیں بھلانا ہمیں مشکل نہیں لگا...... ہماری تعلیم رٹے سے شروع ہو کر گھوٹے پر ختم ہوتی ہے۔ ہم عقل وشعور کو طاق میں رکھ کر تین گھنٹے کمرہ امتحان میں گزار لینے کو علم کی معراج سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دھوکہ، فریب، جھوٹ، جو بھی عین وقت پر ہمارے کام آ گیا وہی ہمارا

سب سے بڑا اسہارا ہے۔

ہم اشراق کے بعد جب گھر آ رہے ہوتے تھے، اکثر انڈونیشی اور ملائشی خواتین چھوٹے چھوٹے گتے کے ڈبے لیے، سڑک کے کنارے منی دکان لگائے نظر آتی تھیں۔ چھوٹا سا سالن کا پتیلا، تھوڑی سی تلی ہوئی مچھلی، کچھ کے پاس آلو کے کٹلس اور اسی قسم کا ناشتے کا وہ سامان جو انھیں بنانے میں زیادہ وقت نہ لگا ہوگا، اور نہ ہی بیچنے میں بہت وقت درکار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے عبادت کے ساتھ حاجی کو تجارت کی اجازت دی ہے اور یہ لوگ اپنی عبادت کے ساتھ ساتھ رزقِ حلال کمانے میں مصروف تھیں اور یہ بھی محسوس ہوا کہ ان کھانوں پر ان کے ہموطن ٹوٹے پڑتے تھے۔

سعادتِ حج

٦ ذی الحجہ۱۴۲۱ھ کو ہماری بلڈنگ مسفلہ خلیل ۱۶۶ کے نوٹس بورڈ پر معلم کی جانب سے اطلاع درج تھی کہ منیٰ جانے کے لیے تمام حجاجِ کرام ۷ ذی الحجہ کو نمازِ ظہر کے بعد تیار رہیں، مکتب کی بسیں حجاج کرام کو منیٰ لے جائیں گی۔ منیٰ کو روانگی ۸ ذی الحجہ کو نمازِ فجر کے بعد مسنون ہے اور نمازِ ظہر منیٰ میں ادا کرنے کا حکم ہے۔ ۷ تاریخ کو کیوں جا رہے ہیں؟ معلوم ہوا کہ بسوں، ویگنوں اور دیگر سواریوں کا رش ہوگا اور دیگر انتظامات کے باعث ۷ ذی الحجہ کو جانا قرار پایا ہے۔

ہمیں اس سے دلچسپی اس لیے نہ تھی کہ اسلام آباد سے ہی ہم منیٰ پیدل جانے کی نیت سے آئے تھے۔ ۷ ذی الحجہ کو ہم نے سارا دن حرمِ پاک میں گزارا، طواف کیے اور جمعہ کی اپنی مخصوص عبادتیں کیں۔ عصر کے وقت کھانا کھانے کے لیے نکلے، کھانا خرید کر گھر کی جانب چلے کہ بلڈنگ والوں کا پتہ کر آئیں، وہ جا چکے ہیں یا نہیں۔ وہاں پہنچے تو سب لوگ انتظار کھینچ رہے تھے، معلوم ہوا مکتب کی بسوں کا دور دور تک پتہ نہیں۔

ہمارے ساتھیوں نے ایک دفعہ پھر ہمیں سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم پیدل جانے

کے ارادے سے باز آ جائیں اور خود کو بلا وجہ مشکل میں نہ ڈالیں۔ منیٰ میں اپنا خیمہ چھبیس لاکھ کے مجمع میں تلاش کرنا کتنا دشوار ہو گا۔

عابد صاحب نے کہا۔

''ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جب آپ نے معلم کو بسوں کا کرایہ ادا کر دیا ہے تو پیدل جانے کی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں، پھر آپ خیمے کی تلاش میں اتنا تھک چکے ہوں گے کہ باقی مناسک آپ کو مشکل ہو جائیں گے۔ کیوں اپنے آپ کو ہلکان کرتے ہیں......''

ہم کھانے کے دوران یہ گفتگو سنتے رہے اور پھر حرم کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے شاہد سے دبے الفاظ میں کہا۔

''ہماری بلڈنگ کے تمام لوگ بسوں پر جا رہے ہیں۔ انھوں نے ہمیں اس احمقانہ حرکت سے روکنے کی کوشش کی ہے اور ہم اپنی بات پر قائم ہیں، کہیں ہماری ضد ہمیں تماشا نہ بنا دے۔''

دراصل میں خود پیدل چلنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن شکوک کے اتنے پتھر پڑے کہ میرے ارادے کی دیوار ہلتی نظر آئی۔ تذبذب کی اس کیفیت میں مجھے یہ بات جو میں نہ کہنا چاہتی تھی کہنا پڑی، مگر شاہد خاموش رہے۔

ان تمام خدشوں کے باوجود میں اپنا فیصلہ بدلنا نہ چاہتی تھی۔ اسی اثنا میں ہم حرم پاک کے قریب پہنچ گئے۔ تمام حجاج کرام مکہ میں جمع ہو چکے تھے۔ بھیڑ اس قدر تھی کہ ہمیں حرم تک پہنچنے کا موقع نہ ملا اور اذانِ مغرب ہو گئی۔ ہم نے دوسرے بے شمار ساتھیوں کے

ہمراہ سڑک پر جائے نماز بچھا لیے۔ ہمارے ساتھ ایک اور میاں بیوی نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد معلوم ہوا ان کا تعلق لاہور سے ہے۔ گذشتہ بارہ برس سے انگلستان میں مقیم ہیں اور حج کی نیت سے آج ہی مکہ مکرمہ پہنچے ہیں۔ باتوں کے دوران انھیں علم ہوا کہ ہم منیٰ پیدل جا رہے ہیں تو بہت خوش ہوئے۔ کہا ''ہم بھی پیدل جا رہے ہیں، جو ان لوگوں کو پیدل ہی جانا چاہئے، نیت کر لی جائے تو اللہ سارے راستے سیدھے کر دیتا ہے۔''

اس دو چار منٹ کی گفتگو نے تذبذب کی کیفیت یکسر ختم کر دی۔ جانا تو ہمیں پیدل ہی تھا لیکن ان سے مل کر حوصلہ ہوا اور خوشی بھی۔ دوسرے یہ اندازہ ہوا کہ دوسرے منفی اور مثبت، ہر دو انداز میں آپ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اس خوبصورت اجنبی جوڑے کے دو چار جملے بلڈنگ والوں کے سینکڑوں جملوں پر بھاری تھے۔

ان سے رخصت ہو کر حرم پاک پہنچے اور یکسوئی سے عبادت میں مصروف ہو گئے۔ گیارہ بجے یہ سوچتے ہوئے گھر آئے کہ بلڈنگ والے رخصت ہو گئے ہوں گے، کچھ دیر آرام سے سوئیں گے، مگر گھر پر تمام خواتین وحضرات کو احرام باندھے نہایت مضطرب حالت میں پہلو بدلتے ہوئے بسوں کے انتظار میں پایا۔ بسیں تھیں کہ آنے کا نام نہیں لے رہیں۔

ان لوگوں نے عصر، مغرب اور عشاء سب نمازیں گھر میں پڑھیں کہ نہ جانے کب بسیں آ جائیں۔ ہمیں چونکہ صبح چار بجے جانا تھا آرام سے لیٹ گئے۔ نیند کیا آنی تھی۔ حاجی صاحبان کی آمد و رفت اور باتیں جاری تھیں۔ کوئی ساڑھے بارہ بجے شور ہوا کہ بسیں آ گئی ہیں۔ تمام حاجی صاحبان اپنا سامان اٹھا کر نہایت تیزی کے ساتھ، کوئی سیڑھیوں سے اور کوئی لفٹوں سے، نیچے گئے۔ شکر کیا کہ اب کچھ دیر سو سکیں گے۔ مگر جاگو میٹی کی اس کیفیت کو اچانک

کسی تیز دھار آلے نے چیر کر رکھ دیا۔ سارے حاجی شور مچاتے، برا بھلا کہتے واپس کمروں میں آ گئے کہ جن کا زور چلتا تھا وہ بسوں میں چڑھ گئے، ہم سے تو یہ بدتمیزی ہو نہیں سکتی اس لیے ہم رہ گئے، اب اگلے چکر میں جائیں گے۔ خیر احرام میں ملبوس حاجی کچھ دیر بیٹھے، پھر لیٹے اور سو گئے۔

چار بجے شاہد نے جگایا اور کہا ''اٹھو اب ہم چلتے ہیں۔''

نہا دھو کر احرام باندھا، سامان کا ایک بیگ شاہد نے دوسرا میں نے اٹھایا اور کمرے سے نکلے۔ اس دوران میں دوسرے حاجی بھی اٹھ گئے۔ کچھ تہجد کی ادائیگی اور کچھ بسوں کا پتہ کرنے نیچے اتر گئے۔ ہم ان سے رخصت ہو کر باہر آ گئے۔ سب نے ہمیں ترحم سے دیکھا، مگر مروتاً بھی کسی نے ہمارا سامان بسوں سے لے آنے کی صلح نہ کی، ہم کون سا انھیں تکلیف دیتے۔ میں نے اپنا یہ احساس جب شاہد سے بیان کیا تو شاہد نے کہا ''میں اپنا بوجھ خود اٹھانا چاہوں گا، تم نے ایسا سوچا ہی کیوں؟''

بلڈنگ سے نکلتے ہی دکانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پہلی دکان سے دو پہیوں والی ٹرالی خریدی اور بیگ اس پر باندھ لیے۔ اب سامان کے ساتھ چلنا بالکل مشکل نہ تھا۔ حرم پاک پہنچے۔ احرام کے نفل ادا کیے۔ احرام و حج کی نیت دل میں بھی کی جا سکتی ہے البتہ زبان سے کہنا افضل ہے

''اے اللہ میں حج کی نیت کرتا ہوں، پس اس کو میرے لیے آسان کر دے اور مجھ سے قبول فرما اور اس میں میری مدد فرما اور اس میں میرے لیے برکت ڈال۔ نیت کی میں نے حج کی اور احرام باندھا اس کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے۔''

اس کے بعد تین مرتبہ تلبیہ شاہد نے بلند آواز کے ساتھ اور میں نے زیر لب کہا۔ درود شریف اور دیگر دعائیں کیں۔ احرام کی تمام پابندیاں لازم ہوئیں۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کی، یٰسین شریف پڑھی، دعائیں مانگیں۔ ارادہ تھا کہ منیٰ روانگی سے پیشتر ایک طواف کرلیں، مگر شرطوں نے ٹرالی اندر نہ لے جانے دی۔ ہمیں یہ زعم تھا کہ حرم پاک میں اب تک ہماری کوئی معمولی سی چیز بھی نہ کھوئی تھی، خیال آیا کہ آج ہی کہیں یہ مان نہ ٹوٹ جائے، اس لیے اب منیٰ کو روانہ ہو جانا چاہیے۔

آب زمزم لیا اور جب عازم منیٰ ہوئے تو ٹھیک سات بجے کا وقت تھا۔ اسی وقت ہمارے مکتب ۳۷ کی بسیں ہمارے پاس سے گزر کر بلڈنگ کی طرف گئیں۔ شکر کیا کہ ہمارے ساتھیوں کا بھی انتظار ختم ہوا، پھر سرنگ آ گئی۔

سرنگ میں داخل ہوئے، جیٹ انجنوں کی مدد سے سرنگ میں ہوا کے جھکڑ آگے کو دھکیل رہے تھے۔ چلنا نہایت آسان لگا۔ ذرا ہی دیر میں ڈیڑھ کلومیٹر لمبی سرنگ عبور ہو گئی، تو اشراق کا وقت یعنی ساڑھے سات بجے تھے۔ ایک مختصر سے خوبصورت باغیچے میں نماز اشراق اور شکرانے کے نفل ادا کیے۔ پھر شیڈز شروع ہو گئے۔ راستے میں جابجا پانی کی بوتلیں، کھجور کے پیکٹ اور دیگر تبرکات ملتے گئے۔ لبیک، درود شریف، آیت الکرسی اور دوسری دعائیں بغیر کسی حساب اور ترتیب کے پڑھتے گئے۔

شاہد کو بھی باتیں کرنے کی عادت نہیں اور مجھے بھی احساس تھا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں ایک ایک سانس، ایک ایک قدم اور ایک ایک دعا کی توفیق نصیب والوں کو ہی ملتی ہے۔ جس وقت ہمارے قدموں نے منیٰ کی مٹی کو چھونے کی سعادت حاصل کی، ٹھیک آٹھ

بجے تھے یعنی حرم پاک سے منیٰ کا فاصلہ ہم نے ایک گھنٹہ میں نہایت سہولت سے طے کیا تھا۔

سامنے خیموں کا شہر آباد تھا۔ دائیں طرف جمرات اور اس کا پل، خوبصورت صاف ستھری چوڑی سڑکیں، بسیں گزر رہی تھیں۔ شرطے مختلف مقامات پر چاق چوبند۔ پہلے ہی قدم پر خیمہ نمبر ۲۲ نظر آ گیا۔ ہم بے حد خوش ہوئے کہ ہمارا ۲۳ نمبر اس کے ساتھ ہی ہوگا، مگر یہ کوئی اور مکتب تھا۔

اب اپنے مکتب کی تلاش شروع ہوئی۔ کسی کو کچھ علم نہیں، زبان کا مسئلہ بھی محسوس ہوا۔ کوئی پورب کی طرف اور کوئی پچھم کی جانب اشارہ کرتا۔ خدمت دفاتر سے تو ایک ہی جواب ملتا ''میلیٰ معافی'' پاکستانی خدام کہیں نظر نہ آئے۔ مقامی سکاؤٹ تھے، لیکن ہاتھ میں پکڑے نقشے دکھانے کو تیار نہیں۔ مکتب نمبر پوچھ کر دوسری طرف متوجہ رہتے۔ اس دوران میں ہم اپنی صوابدید پر چلتے چلے گئے۔

ایک جگہ ایک صاحب سے پتا پوچھ رہے تھے کہ ایک پاکستانی لڑکا تیزی سے ہمارے پاس آیا۔ اس کے پاس منیٰ کے خیموں کا نقشہ تھا۔ پہلی دفعہ اپنے موجودہ مقام اور مطلوبہ منزل کا تعارف ہوا۔ یہ جان کر اطمینان ہوا کہ ہم نے سفر درست سمت میں کیا ہے۔ ابھی ایک کلومیٹر مزید اسی سمت جا کر خیمے ختم ہو جائیں گے اور کھلی جگہ آئے گی، اسے عبور کرنا ہے پھر جو خیمے مزدلفہ میں شروع ہوں گے، ان میں مکتب ۳۷ کے خیمے ملیں گے۔ اس پاکستانی لڑکے کو دعا دی اور سوئے منزل روانہ ہوئے۔

اس طویل مسافت کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ درود و اذکار کے لیے وافر وقت میسر آیا، دوسرے پورے منیٰ کو تفصیل سے دیکھنے کا موقع ملا۔ '' نہایت المنیٰ'' اور ''بدایت

المزدلفہ'' کے سائن بورڈ ایک نئی اُلجھن میں ڈال گئے۔ ہمیں تو پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھنی ہیں۔ ہم مزدلفہ میں کیسے رہ سکتے ہیں؟ ہمیں تو عرفات سے واپسی پر مزدلفہ میں کھلے آسمان تلے رات بسر کرنا ہے، تو ہم آج ہی کیسے یہاں رہیں؟

بعد میں اس مسئلے پر بحث ہوئی، پتا چلا کہ حاجیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور امام کعبہ کے فتویٰ کے تحت، سعودی انتظامات پر ہزاروں حاجی منیٰ کی پانچ نمازیں مزدلفہ میں ادا کرنے پر اجتہاد کرتے ہیں۔ اللہ قبول کرے۔

سائن بورڈ گزرتے ہی ہمیں ہماری بلڈنگ کے لوگ نظر آ گئے جو ہمیں ہمارے خیمے میں لے گئے۔

سفر شروع کرنے سے پہلے شاہد نے ظہر سے پہلے منیٰ اور مغرب سے پہلے خیمے میں پہنچنے کا ہدف مقرر کیا تھا، اس لیے بھی یہ سفر نہایت آسان لگا، کیونکہ ابھی صبح کے ساڑھے دس بجے تھے۔

آیات ربانی کے ورد نے ہمیں تر و تازہ رکھا۔ خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوئے، تو سبھی خواتین ہماری تھکن کے احساس سے شرابور نظر آئیں۔ وہ لوگ کچھ ہی دیر پہلے پہنچے تھے اور ہمارے لیے بہت پریشان، کہ ہم دونوں کہاں کہاں خوار ہو رہے ہوں گے، اتنی دور پیدل کیسے پہنچیں گے، مکتب اور خیمے کی تلاش آسان تو نہیں، ہمیں دیکھتے ہی ان کے چہروں پر خوشی کے ساتھ ساتھ ہمدردی کے واضح تاثرات بھی تھے۔

''مکہ سے تم پیدل آ رہے ہو، مکتب کیسے ملا، پیروں کا کیا حال ہے، تھکن سے نڈھال ہو رہے ہو گے۔''

ہماری یہ حالت تھی کہ مجال ہے جو ذرا محسوس ہوا ہو کہ ہم اتنا فاصلہ طے کر کے آئے ہیں ۔آج تک اس بات پر حیران ہوں اور اس کا ثبوت خود کو یہ دیتی ہوں کہ اگر میں تھکی ہوئی ہوتی تو آرام کرتی ،فوراً ہی صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کھڑی نہ ہو جاتی ۔

نماز ختم ہوئی تو پھر سلسلہ وہیں سے جڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔ ''بھئی تم لوگوں کو سوجھی کیا پیدل آنے کی ،آرام سے بسوں پر آتے ۔''

مجبوراً انھیں بتانا پڑا کہ ہم حرص و ہوس کے مارے ہوئے لوگ ہیں، لالچ نے اندر باہر سے یوں جکڑا ہوا ہے کہ جنبش بھی اپنے آپ کو گراں گزرتی ہے ۔ایک ہی مرتبہ میں سب کچھ لوٹ لینا چاہتے ہیں، جانے پھر موقع ملے نہ ملے ۔

''حضرت عباسؓ نے آخری لحات میں اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی ، اے بیٹو پیدل حج کیا کرو ۔ کیونکہ پیدل حج کرنے والے شخص کو ہر قدم پر سات سو نیکیوں کا ثواب ملتا ہے ۔ حرم کی نیکی اور عظمت سے وہ بچے ناواقف تھے اس لیے پوچھا یہ حرم کی نیکی کیا ہوتی ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا حرم شریف میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے، ایک لاکھ کو سات سو کے ساتھ ضرب دیں تو سات کروڑ بن جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیدل حج کرنے والے حاجی کو ہر قدم پر سات کروڑ نیکیوں کا ثواب ملتا ہے ۔مکہ مکرمہ سے میدان عرفات براستہ منیٰ اور مزدلفہ تقریباً ١٦ کلومیٹر ہے ۔ انسان پہلے مکہ سے منیٰ اور عرفات جائے پھر واپسی پر مزلفہ اور منیٰ سے ہوتا ہوا مکہ مکرمہ آئے تو وہ اس مبارک سفر میں جتنے قدم اٹھاتا ہے اس کا حساب کر کے اہل علم نے بتایا ہے کہ اس کی اٹہتر کھرب اور چالیس ارب نیکیاں بن جاتی ہیں ۔'' (کعبۃ اللہ اور اس کا حج ،محمد معراج الاسلام ،صفحہ ١٧٦)

ظہر کی نماز ہم نے اپنے خیمے میں ادا کی ، فائبر شیٹ کے خیمے، جن میں قالین بچھے ہوئے ہیں، کولر چل رہے ہیں ۔نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد منیٰ کا میدان جو خیموں سے آباد تھا، دیکھنے کے لیے باہر نکلے، منیٰ کے پہاڑ انتہائی خوب صورت دکھائی دے رہے تھے، وہاں بھی لوگوں نے اپنے خیمے لگائے ہوئے تھے۔ کافی لوگ ویسے ہی منیٰ کا نظارہ کرنے کے لیے پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے۔ دانش یاد آیا اگر وہ ساتھ ہوتا تو ہم بھی ان پہاڑوں پر ضرور چڑھتے ،اور میرا پاگل پن جو ہمیشہ مجھے اکساتا رہتا ہے کہ پہاڑ، خواہ اسلام آباد کا ہو خانسپور کا یا شنکیاری کا، میں یہ دیکھوں کہ پہاڑ کے پیچھے کیا ہے اور گھنٹوں کی ہائیکنگ کے بعد جب ایک پہاڑ ختم ہوتا ہے تو اس کے پیچھے بھی ویسا ہی پہاڑ ہوتا ہے، کوئی پرستان نہیں ۔

عصر کی نماز بھی خیمے میں ادا کی ۔خیموں کی چادریں آوازوں کو روکنے میں ناکام رہتیں ، اس لیے انتظار کیا کہ پہلے برابر والے خیمے کی نماز باجماعت ختم ہولے پھر ہم نماز ادا کریں گے۔ نماز کے بعد باہر نکلے۔ظہر کے بعد کینٹین سے جو کھانا منگوایا تھا وہ مہنگا بھی تھا اور ذائقہ بھی اتنا اچھا نہ تھا۔

یاد آیا کہ منیٰ روانگی سے پہلے ہر ایک نے کہا تھا کہ کھانے پینے کی چیزیں مکہ سے لے کر جانا ، وہاں مشکل ہوگی ، بلکہ پاکستان میں موجود، حاجیوں نے اپنے تجربے کی بنا پر خاصا زور دیا کہ چنے، پھل، بند، برگر، خشک میوہ اور نمکو وغیرہ منیٰ ضرور لے کر جانا ۔ مکہ رہائش سے روانگی صبح چار بجے ہوئی تھی ۔ رات ایک وقت کا کھانا زیادہ لے لیا تھا، کہ کم از کم ایک وقت کے لیے تو ہو جائے اور کچھ پھل اور مشروبات بھی رکھ لیے تھے، لیکن حرم پاک پہنچے تو خیال آیا کہ کھانے والا شاپر تو رہائش پر ہی چھوڑ آئے ہیں ۔ دوبارہ گھر جانے کو جی نہ چاہا،

یوں ہم کھانے پینے کی کوئی چیز بھی لیے بغیر منیٰ پہنچے۔ اب یہاں کا کھانا کھانے کے بعد ہمارے ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ رات کو دہی سے روٹی کھالیں گے۔

عصر کی نماز پڑھ کر میں اور شاہد منیٰ کا جائزہ لینے باہر نکلے، تو کافی آگے تک چلتے چلے گئے۔ پل کے نیچے بازار لگا ہوا تھا۔ کھانے پینے کی بے شمار چیزیں، ابلے ہوئے انڈے، پھل، مختلف ممالک کے کھانوں کے سٹال، ہم پاکستانی سٹال پر گئے بہت ہی زبردست مرغ قورمہ اور نان، شاہد کہنے لگے ''ہم رات کے لیے کھانا خرید لیتے ہیں۔''

میں نے کہا ''اب جب کہ سب کا اکٹھے کھانے کا فیصلہ ہوا ہے تو ہمیں سب کی رائے کا احترام کرنا ہوگا، دوپہر میں فیصلہ ہوا تھا کہ رات دہی سے روٹی کھائیں گے تو ہم کیسے یہ لے سکتے ہیں۔''

یوں ہم کھانا لیے بغیر واپس آ گئے۔ خیمے میں آ کر ذکر کیا تو سب نے کہا کہ لے آتے تو اچھا تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد ہم سب کا رخ اسی پاکستانی ہوٹل کی جانب تھا، جسے کھوکھا کہنا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن وہاں پہنچے تو، جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔ بازار تو موجود لیکن دکانیں سب بند، ہم جیسے کئی، کھانے کی تلاش میں سرگرداں، آخر ایک بنگالی کھوکھے سے اسی قیمت پر دال چاول بڑی مشکل سے ملے۔ چھبیس لاکھ افراد کے لیے ایک محدود علاقے میں رہائش اور زندگی کی سہولیات فراہم کرنا، ایک ناممکن عمل ہے لیکن یہاں ناممکن کو ممکن ہوتے کئی مرتبہ دیکھا، اب چونکہ ہم سے پہلے لوگ خریداری کر چکے تھے اس لیے ہمیں مشکل ہوئی، مایوسی نہیں۔ بہر حال بنگالی کھوکھے سے کھانا خریدا، مسور کی دال کے کچے

ابلے ہوئے گلابی دانے اورموٹے کچے ابلے ہوئے چاول، بمشکل تھوڑا بہت کھایا اور اپنی بے وقوفی پر پچھتاتی رہی کہ جب شاہد نے بہترین کھانا خریدنے کے لیے کہا تھا تو انکار کیوں کیا۔

خیمے میں آ کر ذکرو اذکار میں مصروف ہو گئے، اور جب سونے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ یہ سعی لا حاصل ہے، کیونکہ رات میں کھایا گیا کھانا اپنا اثر دکھانا چاہتا تھا، اتنی کھانسی کہ اپنی نیند کے خراب ہونے کا کیا افسوس ہوتا، یہی پشیمانی رہی کہ میری وجہ سے دوسرے بے آرام ہو رہے ہیں۔تمام رات آنکھوں میں کاٹی، فجر کے بعد شاہد سے کہا

''مجھے کوئی دوا دے دیں، کہ اب جسم بھی گرم معلوم ہو رہا ہے۔''

برائے نام ناشتے کے بعد عرفات کو روانگی ہوئی۔

نماز فجر کی ادائیگی کے بعد سورج نکل کر دھوپ جبل ثمیر پر پھیل جائے تو عرفات جانا اولیٰ ہے، راستے بھر یہ دعا زیر لب رہی۔

''اے اللہ تیرے پیارے حبیب ﷺ نے جس میدان میں جا کر امت کے لیے دعائیں مانگی تھیں، اسی میدان میں ہم تیرے پاس آ رہے ہیں۔اے اللہ تو ہمیں شیطان کے شر سے محفوظ رہنے میں ہماری مدد فرما''

اس کے علاوہ یہ دعا بھی مسنون ہے۔

''اے اللہ میری تمام صبحوں سے اس صبح کو بہترین کر دے، اپنی رضامندی سے زیادہ قریب کر دے، اور اپنے غصے سے زیادہ دور کر دے، اے اللہ میں تیری طرف متوجہ ہوا اور تجھ پر ہی بھروسا رکھتا ہوں اور تیری ذات کو چاہتا ہوں، پس میرے گناہوں کو بخش دے اور حج کو قبول کر اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے محروم نہ کر اور میرے سفر میں برکت ڈال اور

عرفات میں میری حاجت پوری کر، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

پندرہ بیس منٹوں میں ہم میدان عرفات میں تھے، رنگین خیموں کے اس بحر بے کراں میں اکثر وبیشتر خیمے ابھی خالی پڑے تھے، ایک نسبتاً کم آباد خیمے میں ہم نے اپنا سامان رکھا۔

دوا کا اثر تھا یا مقام کی برکت کہ کھانسی کا نام ونشان نہ رہا۔ کچھ آرام کیا، چند منٹ اردگرد کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے صلوٰۃ التسبیح کی نیت کی۔ قبلہ کا تعین ایک خاتون کو نماز پڑھتے دیکھ کر کیا، آخری رکعت تھی کہ شاہد خیمے میں داخل ہوئے۔ کہنے لگے ''میں ابھی شرطے سے پوچھ کر آیا ہوں، اس نے قبلہ کی دوسری سمت بتائی ہے۔''

میری نماز ختم ہونے والی تھی۔ نماز مکمل کی، سلام پھیرنے کے ساتھ ہی جائے نماز کا رخ درست کیا اور دوبارہ نماز ادا کی، ہر چند کہ ؎

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

اس کے بعد مختلف درود واذکار کا سلسلہ شروع ہوا۔ گیارہ بجے مرد حضرات مسجد نمرہ چلے گئے۔ ہم خواتین نے خیمے میں ہی نماز ادا کی، وہ جو حج کی کتابوں میں پڑھتے آئے تھے کہ وہاں اگر آپ مفتی، معلم یا عالم بھی ہیں، تو بحث میں نہ الجھیے کہ یہ وقت باتوں میں ضائع کرنے کے لیے نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہاں کئی خواتین زور شور سے خود کو درست اور دوسروں کو کوتاہ فہم ثابت کرنے میں مصروف تھیں، نماز ظہر کے دوران میں اسی بحث ومباحثہ کی تکرار کانوں کے پردوں سے ٹکراتی رہی۔ ظہر سے مغرب تک کا وقت انتہائی اہم بلکہ وہاں گزرنا

ایک ایک لمحہ اہم ترین، کہ وہاں کا ہر لمحہ انمول اور بے شک نصیب والوں کو ہی ملتا ہے۔ ان لمحات کو امر اسی طرح کیا جا سکتا ہے کہ خشوع وخضوع کے ساتھ رب ذوالجلال کے سامنے گڑگڑا کر گناہوں سے معافی طلب کی جائے۔ اب میں نے اپنی ڈائری اور دعاؤں کی کتاب کھولی، اس میں عرفات میں کی جانے والی دعائیں درج تھیں۔

تلبیہ وقفے وقفے سے پڑھتے رہیں، درود شریف، کلمہ طیبہ، آیت الکرسی، کلمہ سوم، کلمہ چہارم، سورۃ اخلاص، دعائے حضرت آدمؑ، دعائے حضرت یونسؑ، اور مختلف دعائیں اور دیگر اذکار، ایک ایک یا تین تین سو مرتبہ کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر اور کبھی گھڑی دو گھڑی لیٹ کر، کبھی خیمے کے اندر کبھی خیمے سے باہر۔

اس دوران میں یہ تجربہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مہمانوں پر کتنا مہربان ہے، ہمارے ہاں ایک سے دوسرا مہمان آ جائے تو ہم اس رحمت کو زحمت سمجھنے میں لمحہ بھر نہیں لگاتے اور وہاں یہ عالم کہ خیمے میں جو داخل ہو رہا ہے اس نے احرام کی چادر میں درجنوں لسی، جوس کے پیکٹ اٹھائے ہوئے ہیں اور لا کر سب کے سامنے ڈھیر کر رہا ہے، ایک مرتبہ ہم بھی باہر نکلے اور جوس کا کریٹ لے آئے، جس میں ستائیس پیکٹ تھے، جو ٹرالی کی وجہ سے منیٰ تک ہمارے ساتھ رہے۔ خاص طور سے جمرات جاتے ہوئے دو چار پیکٹ تھیلے میں ڈال لیتے اور جو کوئی گرمی اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہونے لگتا، اسے پیش کر دیتے۔

ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ شاہ فہد کی جانب سے لنچ بکس خیموں میں پہنچنا شروع ہو گئے، سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے، منتظم نے ہر ایک کو لنچ بکس دیا ہم تینوں کے شوہر نماز کے لیے مسجد نمرہ گئے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق بتایا تو تین لنچ بکس اور دے گئے۔

کھانا انتہائی عمدہ تھا، بہترین چاول اورآدھا چکن روسٹ، ہر لنچ بکس میں تھا۔ پیٹ بھر کر کھایا، اوررب کریم کاشکرادا کیا کہ اس ریگزار میں کیسی کیسی نعمتیں ہم گنہگاروں کوعنایت کررہا ہے۔سب نے سعودی حکومت اور انتظامیہ کی تعریف کی۔ اگر سوچا جائے کہ چھبیس لاکھ مہمانوں کے لیے کھانا پکانا اور پھر اسے اس طرح تقسیم بھی کرنا کہ کوئی بھوکا نہ رہ جائے، تو بظاہر ناممکن نظر آتا ہے لیکن یہ اہتمام آج سے نہیں صدیوں پرانی روایت کا ایک تسلسل ہے۔

''رفادہ کا انتظام اس طرح ہوتا تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں قریش کچھ مال اپنی آمدن سے نکال کر قصی بن کلاب کو دے دیتے تھے۔ یہ اس سے حاجیوں کے لیے کھانا پکواتے اور جو حاجی غیر مستطیع ہوتے یا ان کے پاس زادِ راہ نہ بچا ہوتا، وہ اس کھانے کو کھاتے۔قصی نے یہ چندہ ان پرفرض کر دیا تھا اور کہا تھا، اے قریش تم اللہ کے ہمسایہ اور اس کے گھر اور حرم والے ہو، حاجی اللہ کے مہمان اور بیت اللہ کے زائر ہیں اس لیے وہ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ عزت کے ساتھ ان کی مہمان داری کی جائے، تمھیں چاہیے کہ زمانہ حج میں ان کے لیے کھانے اور پینے کا انتظام کرو۔انھوں نے قصی کا کہنا مانا اور اس کے لیے ہر سال اپنے مال میں سے کچھ حصہ، علیحدہ کر کے قصی کو دے دیتے تھے۔وہ اس سے منیٰ کے قیام کے ایام میں حاجیوں کے لیے کھانا پکواتا۔یہ دستور اس کی قوم میں تمام عہد جاہلیت میں برابر قائم رہا اور اسلام کے بعد عہد اسلام میں بھی جاری رہا، چنانچہ آج تک جاری ہے اور یہ وہ کھانا ہے جو تمام زمانہء حج میں حکومت وقت حاجیوں کے لیے ہر سال منیٰ میں پکواتی ہے''

......(تاریخ طبری، جلد اول، سیرت النبی، علامہ جریر طبری، صفحہ ۴۳، ۴۴)

حجتہ الوداع کے موقع پر آپ نے جاہلیت کی تمام رسمیں ختم کرنے کا اعلان کیا لیکن

رفادۃ اور سقایۃ کو قائم رکھا کہ ہر اچھا عمل اسلام ہے۔

میدان عرفات میں کمیٹی برائے جائزہ خدمات جنوب ایشیا حجاج کارپوریشن کی جانب سے ایک سوالنامہ دیا گیا جسے بعد میں فرصت سے دیکھا تو وہ کچھ اس طرح سے تھا، کیا معلم کے نمائندے نے آپ کو مناسک حج کے بارے میں بتایا ہے۔ کیا معلم کے نمائندے، مکہ سے منیٰ تک، منیٰ سے عرفات تک، عرفات سے مزدلفہ تک، مزدلفہ سے منیٰ تک موجود تھے، کیا آپ نے معلم یا اس کے نمائندے سے خدمات کے بارے میں کوئی شکایت کی ہے...... اب انھیں ان تمام باتوں کا صرف ایک ہی جواب دیا جا سکتا ہے کہ معلم کے نمائندے سے بس میں صرف اس وقت ملاقات ہوتی ہے جب اس نے ہمارے پاسپورٹ لینے یا دینے ہوتے ہیں، ہاں اس سوال نامہ میں صرف ایک سوال کا جواب مکمل اثبات میں تھا اور وہ یہ کہ کیا آپ کو عرفات میں کھانا دیا گیا، اور جیسا کہ میں بتا چکی ہوں کہ کھانا اچھا تھا، گرم تھا، وافر تھا کہ ہم گنہگار اللہ کے مہمان تھے۔

میدان عرفات میں قیام حج کا بنیادی جزو ہے، ۹ ذی الحجہ کی دوپہر سے دس ذی الحجہ کی صبح صادق تک کچھ دیر قیام، خواہ وہ چند لمحوں کے لیے ہی کیوں نہ ہو، حج کا رکن اعظم ہے، جس کے بغیر حج نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ یا کسی بھی شہر میں ہوں، حاجی کے لیے نو ذی الحجہ کو عرفات پہنچنا لازم ہے، حاجی اگر بے ہوشی کی حالت میں ہو۔ عالم نزع میں ہو یا کتنا ہی شدید بیمار کیوں نہ ہو اسے ہر حالت میں یہاں پہنچایا جاتا ہے۔

ایمبولینس اور ڈاکٹر ہمہ وقت موجود، بلکہ ایک مکمل سفری ہسپتال قائم کر دیا جاتا ہے۔ یوم عرفہ کے موقع پر چھ حجاج کرام نے داعی اجل کو لبیک کہا، چونکہ انھوں نے عرفات

میں وقوف کرلیا تھا اس لیے ان کا حج مکمل ہوا۔ زندگی اگر کروٹ نہ بدلے تو نظام ہستی کا قائم و دائم رہنا ممکن نہیں، میدان عرفات میں بھی اس روز یہ مژدہ سنا گیا کہ آج پانچ بچوں کی ولادت ہوئی، جن میں سے تین کا تعلق مصر سے، ایک کا تعلق فلسطین سے اور ایک کی نسبت نائیجیریا سے ہے۔ اس روز کم سن ترین حجن مصر کی دوروزہ بچی تھی جس نے اپنی ماں کے ساتھ ایمبولنس میں وقوف کیا۔ معمر ترین حاجی کا تعلق سعودیہ سے تھا، یہ سو سالہ حاجی اپنی بیٹی کی طرف سے حج کر رہا تھا۔

تمام دن موسم خوشگوار رہا، سورج آنکھ مچولی کھیلتا رہا، ظہر کی نماز کے بعد میں کھڑے ہوکر دعاؤں میں مشغول تھی کہ خیمے کی چھت پر ٹپ ٹپ کی آواز سنائی دی...... بارش ......؟ نہیں، یہ ممکن نہیں، لیکن ٹپ ٹپ کی آواز نے تیزی سے خیمے سے نکلنے پر مجبور کردیا، وظائف کا کتابچہ میرے ہاتھ میں تھا۔ باہر بوندا باندی ہورہی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے، فضا میں مٹی کی مہک رچی تھی۔ میں نے جتنی دعائیں یاد تھیں، مانگ لیں۔ دوسرے لوگ بھی خیمے سے باہر آچکے تھے۔ گریہ وزاری اور دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا، چند لمحوں بعد بارش رکی، ہم سب اپنے خیموں میں واپس آگئے۔ وقوف عرفہ کے دوران میں عرفات کا موسم خوشگوار رہا۔ کبھی کبھی دھوپ بھی نکل آتی تھی جس کے باعث درجہ حرارت ۲۱ سے ۳۵ تک رہا۔

اس حج پر مختلف ممالک کے سربراہان نے حج کی سعادت حاصل کی۔ تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔ پاکستان کے سابق وزیراعظم نواز شریف، موجودہ سربراہ جنرل پرویز مشرف، انڈونیشیا کے صدر عبدالرحمٰن، سوڈان، ملائیشیا اور مالی کے صدور کے علاوہ

جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ قابل ذکر ہیں، شاہ فہد، حج کے انتظامات کی بذاتِ خودنگرانی کے لیے موجود تھے، تمام دن سب ایک دوسرے کومناسک حج کی تکمیل پر مبارک دیتے رہے اوراللہ کاشکر ادا کرتے رہے۔

نمازظہر کے بعد سے دعاؤں کا سلسلہ زوروں پر تھا، اسی اثنا میں لاؤڈسپیکر پر یہ اعلان ہوا،عصر کے وقت وہ تمام حضرات جنھوں نے مسجدنمرہ میں ظہر کے ساتھ نمازعصر ادا نہیں کی ہے، اول وقت میں نمازعصر ادا کر کے خیموں سے باہر کھلے میدان میں آ جائیں، خواتین بھی نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے اپنے خیموں سے باہرآ جائیں، امام صاحب اجتماعی دعافرمائیں گے۔

عصر کے بعدمرد میدان میں چلے گئے اورخواتین خیموں سے باہرآ گئیں۔امام صاحب نے دعا کا آغاز کیا،نہایت ہی سادہ اورعام فہم انداز میں انھوں نے دعامانگنی شروع کی۔ہم جو اتنے دنوں سےعربی میں دعائیں مانگ رہے تھے،سن رہے تھے، کچھ سمجھ میں آتی تھیں، کچھ نہیں بھی آتی تھیں اور جب خود اپنی زبان میں دعا مانگتے تو ایسے محسوس ہوتا جیسے مانگنا آتا ہی نہیں، خشوع نہ خضوع،سوزوگداز نہ گریہ وزاری، نہ گناہوں پرندامت کا اظہار۔ عجب میکانکی انداز، الفاظ پر دسترس نہ زبان میں اثر۔دعا مانگنے کے دوران میں جو ایک روحانی تعلق قائم ہونا چاہیے، وہ بھی مفقود۔بس ایک ہوس ہوتی تھی کہ اللہ کے دربار میں حاضر ہیں تو دین ودنیا کی بہتری کے لیے سب کچھ مانگ لیں اوردعا کا اختتام یوں ہوجاتا، کہ اے اللہ تو سب دلوں کا حال جانتا ہے، جو کچھ تو ہمارے لیے بہتر جانتا ہے، اسے قبول کر اور جو کچھ ہم اپنی نادانی کے باعث طلب نہیں کر سکے اوروہ ہمارے لیے بہتر ہے، وہ بھی ہمیں

عطا کر......ٹوٹی پھوٹی دعائیں مانگنے کے عادی ہم جیسے لوگوں کو جب کچھ یاد نہ ہوتا تو یہ ذمہ داری بھی خدا پر ڈال دیتے ہیں

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

ان حالات میں ایک ایسے امام صاحب جو ظاہر ہے کہ ہمیں نظر نہیں آتے تھے لیکن جن کی آواز ہم تک فضا میں تیرتی ہوئی پہنچتی تھی، جو عالمانہ، دانشورانہ گفتگو کے بجائے عام آدمی کی سطح پر اتر کر بات کرتے تھے۔

اس ایک شخص کی آواز میں کتنی ملائمت تھی، کتنی نرمی اور شائستگی تھی اور کس قدر گھن گرج، اور رعب و دبدبہ بھی، اس کا اندازہ اسی شخص کو ہوسکتا ہے جس نے وقوف عرفات کے دوران اس اجتمائی دعا میں شرکت کی ہو، عصر سے مغرب تک کا وقت غالباً دو ڈھائی گھنٹے بنتا ہے، وہ دعا کرتے رہے، مجمع سے آمین کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔ یہ دعا کس کس کے لیے تھی، اس میں امت مسلمہ کا ایک ایک فرد اپنی ذاتی حیثیت میں اور امت مسلمہ ایک فرد واحد کی صورت میں محسوس ہوتی رہی، انھوں نے ہر ایک کے لیے دعا کی۔ کیا پاکستان، کیا کشمیر، کیا فلسطین، کیا سعودیہ، غرض ایک ایک کی سربلندی اور عافیت کے لیے دعا کی، مجمع آمین کی صداؤں سے گونجتا رہا۔ اس گونج میں سسکیاں، آہیں اور چیخیں سبھی کچھ شامل تھا، کوئی فرد ایسا نہ تھا جو زاروقطار رو نہ رہا ہو، انھوں نے خاص طور پر پاکستان اور سعودی عرب میں خشک سالی کے خطرات کے پیش نظر بارش کے لیے گڑگڑا کر دعا مانگی۔ امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کے لیے مغفرت چاہی۔

مجمع کیوں نہ مسحور ہو کر رہ جاتا کہ بار بار امام صاحب فرماتے کہ یقین رکھیں کہ آپ کا حج قبول ہوا، اس باری ءتعالیٰ پر یقین رکھیں جو آپ کی دعائیں قبول کرتا ہے، یقین کریں کہ آپ کی تمام دعائیں قبول ہورہی ہیں ۔کیسی کیسی تسلی ہورہی تھی، تذبذب کی کیفیت ختم ہورہی تھی ۔ بتان وہم وگمان لا الہ اللہ ۔شکوک کی فضا نے دم توڑا اور امید بلکہ یقین کی مضبوط دیوار نے سب کو اپنے حصار میں لے لیا۔

انھوں نے کون کون سی دعا نہ مانگی اور کس کس کے لیے نہ مانگی، انھیں تو کوئی بھولا ہی نہیں ۔ کیا انفرادی، کیا اجتماعی، انھوں نے تو سب کے لیے، سب کچھ مانگ لیا۔ وقفے وقفے سے وہ کہتے رہے کہ اب میں اجتماعی دعا ختم کرتا ہوں آپ اپنے اپنے طور پر جو دعا مانگنا چاہتے ہیں، مانگ لیں اور پھر وہ دو ایک جملوں میں دعا ختم کرنا چاہتے لیکن وہ دعا زمان ومکان کی حدود وقیود سے ماورا ہوجاتی ۔ وہ مانگتے جاتے اور ہم سب اس کے سحر میں گرفتار دل ہی دل میں ان کے شکرگزار، کہ ہمیں کہاں سلیقہ۔انھوں نے کس مرحلے پر ہماری کیسی مدد کی، اللہ ہر کام کے لیے اپنے منتخب بندے بھیج دیتا ہے ۔

وہ دعا مانگ رہے ہیں تبھی یکسو ہوکر اس جانب متوجہ ہیں ۔دعا کے دوران میں اچانک مجھے محسوس ہوتا ہے کہ زمین بلند ہوگئی ہے ۔کب بلند ہوئی یہ نہیں پتا، صبح جب ہم آئے تھے تو ہمیں چڑھائی کا احساس نہ ہوا تھا، سیدھی سڑکیں تھیں سپاٹ راستے تھے ۔ یہ زمین غیر محسوس طریقے سے اس قدر بلند کیسے ہوگئی، اور......اور...... یہ آسمان...... یہ اتنا نزدیک کیسے آ گیا، یہ تو اس قدر قریب ہے کہ اگر میں مجمع کو نظر انداز کردوں ......اگر کوئی میری اس حرکت کو پاگل پن تصور نہ کرے تو میں اسے چھوسکتی ہوں ......یا کم از کم میرا ہاتھ اس کے بالکل

قریب پہنچ سکتا ہے۔ ......لیکن اگر زمین سیاچن جتنی اونچی بھی ہو جائے تو آسمان کو تب بھی نہیں چھو سکتے ۔آسمان تو پھر بھی سینکڑوں، ہزاروں میل دور ہی رہتا ہے، پر یہ آسمان تو میری دسترس میں ہے ......اور آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے موجود ہیں، وہ کیسے ہیں، غروب ہوتے سورج کا تو کہیں نام نہیں، لیکن ان بادلوں کی آؤٹ لائن کیسی سنہری ہے......سنہری پینٹ سے ڈبل زیرو برش سے بنائی گئی باریک آؤٹ لائن...... دنیا کا کوئی مصور اپنی شاہکار تصویر میں بھی ایسے بادل پینٹ نہیں کر سکتا...... اس قدر خوبصورت بادل اتنی دلکشی، یہ آسمان اس دنیا کا نہیں اور یہ زمین...... یہ زمین بھی تو اس دنیا کی نہیں ۔آسمان اس قدر نیچا......میں کس کو جھنجھوڑ کر دکھاؤں کہ آسمان ہمارے سروں کے اتنا قریب ہے کہ یہ میری دسترس میں ہے ...... میں اسے پکڑ سکتی ہوں ۔زمین اتنی بلند ہوگئی ہے کہ زمین و آسمان کا درمیانی فاصلہ صرف اتنا رہ گیا ہے کہ جس میں انسان سیدھا کھڑا ہو سکے۔یا اللہ یہ زمین...... یہ آسمان، اس دنیا کا نہیں اور......اور یہ موسم یہ فضا یہ کہاں اس دنیا میں پائی جاتی ہے، یہ موسم بھی یہاں کا نہیں یہ درخت جو صبح سے ہمارے گرد رقص کناں تھے، اس کا ایک ایک پتا کسی اور دنیا کے ہونے کی بشارت دے رہا ہے۔اتنا خوبصورت موسم کا ہے کو کبھی دیکھا تھا۔یہ زمین، یہ آسمان، یہ موسم یہ سب کچھ یہاں کا نہیں یہ تو جنت کی سرزمین ہے۔ یہ جنت کا فلک ہے۔ یہ موسم جنت کا ہے۔میرے مولا تو نے کتنی بڑی نعمت سے نوازا، لوگ کہتے ہیں ہم نے حج کے لیے جسمانی مشقت و اذیت سہی، مال و دولت اور وقت، جو سب سے قیمتی متاع ہے، وہ صرف کیا۔اے اللہ اگر تیرے نزدیک میں نے اس حج کی خاطر ذرا سی بھی مشقت سہی ہے، تو وہ مشقت ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی، سب کچھ ہیچ ہے اس کے سامنے، جو نظارہ تو نے مجھے کرا دیا، یا اللہ تو

نے مجھے اس دنیا میں جنت دکھادی، مجھے اب کسی اور چیز کی طلب نہیں ۔ یہ یقین ہے گمان نہیں ، اے اللہ تیری جنت اس سے زیادہ کیا حسین ہوگی ، بہشت کا موسم اس موسم سے کیا خوب صورت ہوگا ، میری نگاہ مسلسل آسمان کی جانب تھی اس کے فریفتہ کردینے والے حسن نے مجھے اس طرح اپنے حصار میں لیا ہوا تھا کہ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ میرے گردوپیش میں کیا ہو رہا ہے ، اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ بادل جن کی آؤٹ لائن اور خوب صورت شیڈز بنانے پر میں مصور کو داد دیتے تھک نہ رہی تھی ، وہاں سے نور کی برسات ہو رہی ہے اور کرنیں ترچھے انداز میں زمین تک آ رہی ہیں ۔ مجھے خیال آیا کہ جب ہمارے بچے ڈرائنگ کرتے ہیں یا ہمارے میگزین مذہبی ایڈیشن شائع کرتے ہیں اس میں اسی طرح نور کی بارش ہوتے دکھاتے ہیں ، لیکن یہ تو رب ذوالجلال کا حقیقی نور ہے ، کیا اللہ کا ہم گنہگاروں سے براہ راست رابطہ قائم ہو رہا ہے ، کیا زمین و آسمان کی حدیں اس نور کے ذریعے ختم ہو رہی ہیں ۔

بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں

مجھے البتہ اتنا ہوش تھا کہ اس وقتِ سعید میں جو کچھ مانگنا ہے ، مانگ لوں کہ پھر یہ موقع زندگی میں نہ ملے گا ، مجھے نہیں معلوم کہ میری نگاہ اس نور کی بارش سے کب ہٹی ، کب تک یہ کرنیں زمین تک آتی رہیں ۔ مجھے یاد ہے کہ میں امام صاحب کی ہر دعا پر آمین کہتی رہی اور ساتھ ساتھ نہایت تیزی سے اپنی دعائیں بھی مانگتی رہی ۔ میں وہاں موجود تھی ، لیکن میں وہاں موجود نہ تھی ۔ کیا یہ میرے ایمان کی کمزوری تھی کہ جب سب لوگ اس مبارک وقت میں کہ جو دوبارہ زندگی میں آئے کہ نہ آئے ، رو رو کر اپنی مغفرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں ، دین و

دنیا کی بھلائی طلب کر رہے ہیں، میرا دھیان کہاں سے کہاں چلا گیا تھا۔ میں پورے انہماک سے، اس توجہ اور اخلاص سے، جو دعا کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ دعا سن رہی تھی، مانگ رہی تھی۔نہیں ......ایسا نہیں ہے، میری توجہ کسی اور نے کسی اور جانب مبذول کرا دی تھی، شاید اسے ایمان کی کمزوری کہا جائے ،لیکن میں اس قدر خوش، اس قدر مطمئن کبھی نہ تھی۔

امام صاحب نے دعا مکمل کی، سب نے آمین کہا اور اپنی اپنی دعاؤں میں مشغول ہو گئے اور میں ایک ایک کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر کہہ رہی تھی، یہ زمین اس دنیا کی نہیں یہ آسمان اس دنیا کا نہیں یہ زمین کتنی بلند ہے۔آسمان کتنا قریب آ گیا ہے، میں اسے چھو سکتی ہوں، میں اسے پکڑ سکتی ہوں، آسمان میری دسترس میں ہے۔ یہ موسم یہ فضا یہ ماحول، یہ درخت یہ پتے، کچھ بھی تو اس دنیا کا نہیں، یہ جنت کی زمین ہے یہ جنت کا آسمان ہے۔ یہ موسم یہ فضا جنت کی ہے، میرے مولا نے سب کچھ یہیں دکھا دیا ہے۔ اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

مجھے حفیظ یاد آئے۔حفیظ ہوشیار پوری نے کہا تھا

گر یہ دنیا ہے تو اے میرے خدا
کتنی دلکش تری جنت ہو گی

سب نے میری بات کی تائید کی۔ تائید اس لیے بھی کرنا پڑی کہ یوم عرفہ کی گرمی مشہور ہے۔ میدان عرفات میں قیامت کی گرمی ہوتی ہے۔ لوگ چھتریاں تانے وقوف کرتے ہیں، مجھے یاد ہے کہ منیٰ آنے سے پہلے ہمارے ساتھی چھتریاں خرید کر لائے، کہ عرفات میں حشر کی گرمی ہوتی ہے، وہاں ان کی ضرورت ہوگی۔ انھوں نے مجھے بھی مشورہ دیا

کہ چھتری ضرور لے لینا ۔ مجھے چھتری پکڑنے کی عادت نہیں، پھر بھی ان کے زور دینے پر چھتری خرید لی، شاہد سے کہا کہ آپ بھی ایک چھتری لے لیں، لیکن وہ نہ مانے، کہ وہ کم سے کم اسباب اٹھانے، سنبھالنے کے قائل ہیں۔ ہمارے ساتھیوں نے جب یہ دیکھا کہ شاہد چھتری نہیں لائے تو کہنے لگے۔

''عرفات والے دن ہم انھیں اپنی چھتری میں نہیں آنے دیں گے، آپ بھی نہ آنے دیں، یہ ہماری کوئی بات نہیں مانتے۔''

آج جب وقوف عرفات کا وقت آیا تو اس قدر سہانا کہ سارا دن بادل اٹھکیلیاں کرتے رہے، ہوا چلتی رہی اور امام صاحب جو بارش کی دعا کر کے ابھی فارغ ہوئے تھے۔ان آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ میدانِ عرفات میں ۲۲ سال بعد مغرب سے پہلے پہلے بادل اتنا ٹوٹ کے برسا کہ سب کچھ جل تھل ہوگیا، امام صاحب نے یقین دلایا تھا کہ آپ کا حج قبول ہوا، آپ کی دعائیں بارگاہ ایزدی میں ضرور قبول ہوں گی، تو یہ دعا کیسے فوری طور پر قبول ہوئی اور اس نے یہ نوید دی کہ باقی دعائیں بھی وقت آنے پر اپنے اپنے انداز میں انشا اللہ ضرور باریاب ہوں گی۔ غالب کی تمام عمر یہ خواہش رہی ؎

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

میرے لیے چند لمحوں کا یہ قیام عمر بھر کی سکونت سے بڑھ کر تھا۔ یہ قیام، یہ وقوف قیامت تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔شدید بارش کے بعد ایسی آندھی چلی کہ خیمے الٹ گئے۔ عرب کے ریگستانوں کی آندھی بہت خوفناک ہوتی ہے۔ ریت کے طوفان جب شہروں کا رخ

کرتے ہیں تو بندہ کیا چیز ہے جہاز تک ائر پورٹ پر نہیں اتر سکتے۔ اڑتی ریت برچھیوں کی مانند آنکھوں ہی کو نہیں تمام جسم کو چھید ڈالتی ہے، لیکن اس آندھی میں ریت کا ایک ذرہ تک نہ اڑا، بارش کے باعث تمام ریت بیٹھ چکی تھی، آندھی کا زور تھا، دس ذی الحجہ کا چاند جو ذرا سا نامکمل تو تھا لیکن چاندنی بھرپور، وہ چاند بھی بے حد قریب تھا، ایسی نصیبوں والی رات میں میرا مولا میری رات کو مہتاب سے کیسے محروم رکھ سکتا تھا۔ آج تو اس نے اپنے جلوؤں کی انتہا کر دی تھی۔ کیا ہم میں اتنا ادراک ہے کہ ہم اس کی ایک ایک تخلیق میں اس کا جلوہ دیکھ سکیں۔

اس چاند کا حسن بھی اور اس کی چاندنی بھی اس دنیا کی نہیں تھی کیا جنت میں بھی رات ہوتی ہے، اگر ہوتی ہے تو ایسی ہی حسین ہوتی ہوگی۔

وہ حاجی جو بس کے پہلے چکر میں جانے کے لیے بے تاب تھے، دعا کے اختتام کے ساتھ ہی بسوں میں جا بیٹھے تھے، کہ میدان عرفات میں مغرب کی نماز ادا نہیں کی جاتی بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشا کی نمازیں اکٹھی ادا کی جاتی ہیں، وہ بس میں بیٹھے اس کے چلنے کے منتظر تھے۔ اب رات کے نو بج رہے تھے، ڈرائیور مسافروں کو بسوں سے اترنے بھی نہ دے رہے تھے۔ وہ اندر حبس، گھٹن اور گرمی سے نڈھال ہو رہے تھے اور ہم باہر خدا کی صناعی کی داد دے رہے تھے۔

کافی دیر بعد بسیں روانہ ہوئیں، مکتب کے نمبر لگی بسیں آتیں اور اپنے مسافر اٹھا کر روانہ ہو جاتیں۔ کچھ انتظار کے بعد ہماری بس آتی دکھائی دی، سب نے اس میں سوار ہونے کی کوشش کی، شاہد صاحب، عابد صاحب اور چند لوگ باہر رہ گئے۔ انھیں کہا گیا کہ آپ لوگ

بس کی چھت پر سوار ہو جائیں، موسم ٹھنڈا تھا اور کھلی چھت پر سفر کرنا اور وہ بھی احرام کے ساتھ، آسان نہ تھا۔ بارش کے بعد شام سے فضا میں خنکی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ مرد حضرات بار بار اپنے احرام جسم کے ساتھ لپیٹ رہے تھے۔ بہر حال ان چند مسافروں نے کھلی فضا میں سفر کے مزے لوٹے اور خوش رہے۔

مزدلفہ پہنچتے پہنچتے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ مکتب کی بسیں ہمیں اپنے مکتب سے بہت دور اتار کر چلی گئیں۔ رات کھلے آسمان تلے بسر کرنا تھی۔ خیمے دور ہوں یا نزدیک، کہیں بھی بسر کر لیتے، لیکن پھر خیال آیا کہ صبح اٹھ کر بھی تو اتنا سفر کرنا ہوگا، تو ابھی کیوں نہیں، مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں، دونوں نمازوں کے فرضوں کے درمیان سنتیں اور نوافل ادا نہیں کیے جاتے، پہلے مغرب کے فرض، ادا کیے جاتے ہیں، پھر عشاء کے فرض پڑھنے کے بعد مغرب کی سنتیں، پھر عشاء کی سنتیں، وتر اور نوافل ادا کر لیے جاتے ہیں۔

دونوں نمازیں اکھٹی پڑھیں۔ چکن روسٹ اور چپس کے دو لنچ بکس کوئی چلتے چلتے پکڑا گیا تھا۔ وہ کھائے اور پھر عازم سفر ہوئے۔ آدھ گھنٹے کے بعد ہم اپنے خیموں کے قریب پہنچ گئے، سڑک پر بستر لگائے، ایک ساتھی کہنے لگے ''خیموں میں چل کر کیوں نہیں سوتے''

انھیں کہا ''سنت یہی ہے اور حکم بھی''

کہنے لگے ''حضور کے زمانے میں اتنے انتظامات کہاں ہوتے تھے۔ کھلے آسمان تلے رات بسر کرنا مجبوری تھی، اب تو ایسا نہیں ہے پھر کھلے آسمان کے نیچے رات کیوں بسر کی جائے''

شاہد نے پر زور مخالفت کی اور سب کو باہر کھلی سڑک پر دریاں بچھانے کے لیے کہا، میرا دل کافی آزردہ ہوا کہ ہم لوگ کس طرح اپنی آسانی کے لیے تاویلات گھڑ لیتے ہیں ۔

حالت احرام میں سونا کچھ مشکل یوں ہے کہ کوئی کپڑا چہرے کو نہ لگے، دن میں مزدلفہ میں رات عبادت میں گزارنے کی بات ہوتی رہی تھی، کہ کیا کچھ پڑھا جائے ۔مزدلفہ میں پڑھنے کے لیے دو قسم کے نوافل بتائے گئے تھے ۔ایک طریقہ تو یہ تھا کہ سو نفل دو دو رکعت کر کے اس طرح پڑھے جائیں کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی جائے، دوسرا طریقہ یہ تھا کہ دو رکعت نماز نفل کی نیت کی جائے اور پہلی رکعت میں سو مرتبہ آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی جائے ۔ میں نے دن میں ہی ارادہ کر لیا کہ یہی دو رکعتیں پڑھوں گی، رات کچھ دیر سوئے کہ اس رات کچھ دیر سونا بھی مسنون ہے ۔

تمام رات لوگ سڑک سے گزرتے رہے ۔معلوم ہوا کہ کنکریاں مارنے کے لیے ابھی سے جمرات جا رہے ہیں کہ جمرات کے قریب پڑاؤ ڈالیں گے اور صبح جلد کنکریاں مار کر فارغ ہو جائیں گے ۔

ہم صبح چار بجے اٹھے، وضو کے بعد شاہد نے تہجد کے نوافل ادا کرنے شروع کیے ان سے کچھ فاصلے پر ان کے پیچھے میں نے اپنے سوچے ہوئے دو نوافل کی نیت کر لی، اردگرد لوگ سو رہے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں قریب سے گزر رہے ہیں، شور و ہنگامہ کی کیفیت تو نہیں لیکن سکوت اور خاموش فضا بھی نہیں ۔

میری بدقسمتی کہ نماز میں جو سکون و طمانیت کا احساس ہونا چاہیے، وہ کم ہی میسر آیا ہے ۔ اکثر شکوک کے سنپولیے نماز کا مزا کرکرا کر کے رکھ دیتے ہیں ......دعائے قنوت ......

پڑھی یا نہیں؟ اب اس نماز میں سوسومرتبہ کا حساب رکھنا ہوگا، اللہ سے دعا کر کے نماز شروع کی، اس نماز میں سومرتبہ آیت الکرسی اور سومرتبہ سورہ اخلاص اتنے خلوص اور فریفتگی سے پڑھی گئی کہ اپنا ہی جی خوش ہوگیا، اس نماز میں جو سکون، طمانیت، لذت اور یک سوئی نصیب ہوئی، شاید زندگی کی کسی نماز میں نہیں۔ یہاں ایک بات کا اعتراف کہیں یا اقرار، ضروری سمجھتی ہوں۔ میں اسلام آباد سے ۳۳ دانوں والی تسبیح لے کر چلی تھی، سودانوں والی تسبیح کی ضرورت محسوس ہوئی، مدینے سے بٹن والی مکینیکل تسبیح خرید لی کہ اس پر دس ہزار (۹۹۹۹) کا شمار کیا جا سکتا ہے، میرا ارادہ تھا کہ قیام مکہ کے دوران میں کم از کم پچاس ہزار یا ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ ضرور پڑھوں گی، تو اس سے مجھے گننے میں آسانی ہوجائے گی، اللہ کا شکر ہے کہ میں نے یہ ورد چار دن میں مکمل کرلیا، مزدلفہ میں عبادت کے لیے سوسومرتبہ آیت الکرسی اور سورہ اخلاص کا شمار ضروری تھا۔ کاؤنٹنگ والی تسبیح کسی خرابی کے باعث اپنا اعتماد کھو چکی تھی اور دوران نماز گنتی دیکھنا ممکن بھی نہ تھا۔ بہت تلاش کیا لیکن مزدلفہ اور منیٰ میں کہیں کوئی تسبیح فروخت کرتا نظر نہ آیا۔ اپنے ساتھیوں سے نا چاہتے ہوئے بھی سوال کیا، لیکن کسی کے پاس زائد تسبیح نہ تھی۔ میں نے عرفہ کی رات نوافل کے آغاز سے پہلے شاہد سے کہا ''کسی سے تسبیح لے دیں''

انھوں نے حسبِ معمول انکار کیا...... ''تسبیح پکڑ کر نماز کیسے پڑھو گی، انگلیوں کی پوروں پر گنو، ہر پور پر تین تین مرتبہ گنو گی تو نوے مرتبہ ہوجائیں گے دس مرتبہ اور گن لینا تو سو ہوجائیں گے۔''

میں نے کہا ''میرے لیے یہ شمار مشکل ہوجائے گا، یہ سامنے دانش جتنا بچہ ابھی

ابھی جاگ اٹھا ہے، آپ نہیں پوچھتے تو میں اس سے پوچھ لیتی ہوں۔''

تنگ آ کر انھوں نے اس سے کہا ''بیٹا اگر تمہارے پاس تسبیح ہو تو دے دو، آدھ گھنٹے میں واپس کر دیں گے۔''

اس نے فوراً تسبیح دے دی اور جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں میں نے نماز ادا کی۔

دوسرے روز جب ہم رمی کے لیے گئے تو کافی بھیڑ تھی، لیکن تھوڑے تھوڑے فاصلے کے بعد کھلی فضا میں سانس لینے کا موقع مل جاتا تھا، ایسا ہی کوئی لمحہ تھا سامنے کھلی جگہ تھی ایک جانب بڑا سا ٹرالر کھڑا تھا جس میں خادم ٹوٹی ہوئی چپلیں، عینکیں، چھتریاں اور نہ جانے کیا کیا اٹھا کر ڈال رہے تھے اور نہایت تیزی سے راستہ صاف کر رہے تھے۔

میں زیر لب دعائیں پڑھ رہی تھی اور یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی کہ اچانک شاہد نے اپنا بازو میرے آگے کر کے میرا بڑھتا ہوا قدم روک لیا۔ جیسے ہی میں نے اپنا اٹھا ہوا پاؤں پیچھے کیا مجھے سبز رنگ کی تسبیح زمین پر پڑی ہوئی نظر آئی۔ میں نے شاہد کی طرف دیکھا، انھوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا اٹھا لو، میں جانتی تھی کے حدودِ حرم میں کسی بھی گری پڑی چیز کا اٹھانا ممنوع ہے۔ ہر چند کہ لمحہ بھر بعد اس تسبیح نے بھی ٹرالر کے پیٹ میں پہنچ جانا تھا، ڈرتے ڈرتے میں نے وہ تسبیح اٹھا لی، وہ بالکل نئی تسبیح یقیناً ان چھوئی تھی اور اللہ میاں نے میرے لیے بھیجی تھی۔ گناہ کا اعتراف ندامت اور شرمندگی سے کیا جاتا ہے لیکن میں اس عمل کے لیے اپنے دل میں پیار ہی پیار محسوس کرتی ہوں اور یہ تسبیح مجھے کتنی عزیز ہے اس کا کیا مذکور۔

بات ہو رہی تھی مزدلفہ میں نوافل کی، تہجد کے نوافل ادا کر رہی تھی کہ فجر کی اذان کا وقت ہو گیا، جہاں شاہد نفل ادا کر رہے تھے وہاں دیکھتے ہی دیکھتے جماعت کھڑی ہو گئی، بے

شمار مسافروں نے وہاں نماز ادا کی، دعاؤں اور ذکر واذکار سے فارغ ہو کر ہم سب خیمے میں آ گئے اور دن کا پروگرام طے کرنے لگے۔

ہمارے ساتھیوں نے حکومت سعودیہ کی جانب سے منتخب کردہ بنک میں قربانی کی رقم جمع کرا دی تھی، شاہد کا اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے کا ارادہ تھا۔ جمرات کے لیے سب ساتھ نکلے، ہمارا یہ ارادہ تھا کہ جمرات پہ کنکریاں مار کر واپس قربان گاہ آئیں گے، جانور خریدیں گے، قربانی کریں گے پھر حلق کروا کے اپنے خیمے میں آ کر احرام کھول دیں گے اور لباس تبدیل کر کے دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کریں گے۔ ہماری نیت آج ہی طواف زیارت بھی کرنے کی تھی۔

حجاج کرام کے قافلے لہر در لہر ایک دریا کی صورت جمرات کی طرف رواں تھے۔ اس میں ہمارا چھ افراد پر مشتمل قافلہ بھی اپنی جد وجہد میں مصروف تھا، جس کے دو نفوس نے رمی سے فارغ ہو کر اس ہجوم کو چیرتے ہوئے واپس مزدلفہ میں قربان گاہ بھی جانا تھا۔ حسب توقع جمرات پہنچنے میں کافی وقت لگا، کیونکہ ہمارا خیمہ منیٰ سے کہیں آگے مزدلفہ میں تھا۔ ابھی جمرات سے کچھ فاصلے پر ہی تھے کہ راستے میں سعودی بنک کے لگائے گئے سٹال سے اعلان نشر ہو رہا تھا، قربانی کے لیے ۳۷۵ ریال جمع کرائیے۔ ایک ساتھی نے کہا ’’ شاہد صاحب آج بھی پیسے جمع ہو رہے ہیں۔‘‘

وہ تو یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ شاہد چند قدم چلے، پھر رک گئے، کہنے لگے ’’میرا پختہ ارادہ تھا کہ قربانی اپنے ہاتھ سے کروں مگر اس صورت میں آج صرف قربانی ہی بمشکل کر سکیں گے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ حکومت کی جانب سے کی گئی قربانی کا گوشت مختلف ممالک کے

مہاجرین ومساکین کوعطیہ کر دیا جاتا ہے اور کھالیں کام آتی ہیں، جب کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے گئے جانور کو حاجی ذبح کر کے وہیں چھوڑ آتا ہے، مکہ کے قصائی اسے صاف کر کے ہوٹل والوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں یا قربان شدہ جانور کچرے میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے کیوں نہ ہم بھی سعودی حکومت کی سہولت سے فائدہ اٹھا ہی لیں۔''

میں خاموش رہی کہ وہ خود فیصلہ کریں، مجھے معلوم تھا کہ اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا ان کی بڑی خواہش ہے۔ اس لیے مکمل فیصلہ بھی وہی کریں تو بہتر ہے۔ انھوں نے چند لمحے سوچا اور پیسے بنک میں جمع کرا دیے۔ ان سے قربانی کا وقت پوچھا تو انھوں نے کہا ''گیارہ بجے'' پھر کہا ''آپ کے رمی سے فارغ ہونے تک قربانی ہو جائے گی۔''

شاہد کو افسوس تھا کہ میں جو نیّت کر کے آیا تھا وہ کسی بھی سوچ یا سبب کے باعث پوری نہ ہو سکی، مجھے بھی اس بات کا احساس تھا، اگر وہ واپس آ کر قربانی کرنا چاہتے تو میں انھیں کبھی نہ روکتی، وہ اسی روز طواف زیارت کے لیے آنا چاہتے، میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر آمادہ ہو جاتی۔

بہر حال قربانی کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم نے اپنا سفر جاری رکھا، اس اثنا میں ہمارے ساتھی کہیں دور نکل گئے تھے۔ جمرات ابھی کوئی فرلانگ بھر آگے تھا۔ بلڈنگ کی چھت پر بیٹھے شرطے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کرتے کہ آگے بھیڑ ہے، مجمع آگے نہ بڑھے، اردو، انگریزی اور عربی میں کیے گئے اس اعلان کے نتیجے میں مجمع پندرہ پندرہ منٹ ایک ہی جگہ کھڑا رہتا۔ پھر وہ چلنے کی اجازت دیتے، چند ایک قدم چلنے کے بعد وہ پھر ہجوم کے باعث رک جانے کو کہتے اور مجمع ساکت ہو جاتا، دس پندرہ منٹ بعد پھر اجازت دی جاتی، یہ فرلانگ بھر

کا فاصلہ طے کرنے میں خاصا وقت لگا۔

ایک بزرگ کی حالت بگڑتے دیکھی، رنگ کیسے پیلا پڑتا ہے، شاید پہلی مرتبہ دیکھا، میرے پاس عرفات سے ملنے والے جوس کے پیکٹ تھے، میں نے ایک پیکٹ ان کی طرف بڑھایا، کسی اور نے پکڑا، میرا خیال تھا کہ ان بزرگ کو دینے کے لیے لیا ہے، لیکن ایسا نہ ہوا شاید وہ خود زیادہ پیاسے ہو رہے تھے۔ اس دوران میں شاہد کے منہ سے بار بار ایک ہی جملہ نکلتا تھا ''کیا منظم ہجوم ہے، لاکھوں کا مجمع اور اتنا منظم کہ ایک اشارے پر رکتا اور دوسرے پر چل پڑتا ہے۔''

میں نے انھیں کہا ''بار بار ایسا نہ کہیں، کہیں اپنی ہی نظر نہ لگ جائے''

لیکن دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ ضرور سب سے آگے شرطے ہاتھوں کی زنجیر بنائے چل رہے ہوں گے وہ رکتے ہوں گے تو مجمع بھی رکنے پر مجبور ہو جاتا ہوگا، ورنہ صرف ایک آواز سے لاکھوں کا مجمع کہاں قابو میں رکھا جا سکتا ہے، لیکن یہ میرا خیال خام ہی تھا مجمع واقعی باشعور تھا۔

پہلا جمرہ، مسجد خیف کے نزدیک ہے، یعنی جمرہ اولی، دوسرا جمرہ اس سے کچھ فاصلے پر ہے اور جمرہ وسطیٰ کہلاتا ہے، تیسرا منیٰ کی آخری حدود پر ہے اور اسے جمرہ عقبیٰ کہتے ہیں، اور آج یعنی دس ذی الحجہ کو ہمیں صرف اسی کو کنکریاں مارنی ہیں۔

اس واقعے کی یاد میں ہم یہ عمل دہراتے ہیں جب حضرت ابراہیمؑ کو شیطان نے انسانی روپ میں حضرت اسماعیلؑ کی قربانی سے بہکانے کی کوشش ان تین مقامات پر کی تو آپؑ نے اسے کنکریاں مار کر بھگایا تھا، کاش کہ ہم اپنے نفس کے شیطان کے ساتھ بھی یہی

سلوک کر سکتے ، اتنے میں ہم بڑے شیطان تک پہنچ گئے ۔

یہاں پہنچ کر تلبیہ کہنا بند کر دیا جا تا ہے، دیگر ذکر واذکار اور درود و وظائف جاری رہتے ہیں ۔کنکریاں رات مزدلفہ سے ہی چن لی تھیں ۔ہمیں بتایا گیا تھا کہ آ گے سے ہو کر کنکریاں مارنا آ سان ہے، خیر آ سان تو اتنا نہ تھا،لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے جمرات کے بالکل ساتھ لگ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر کنکریاں ماریں، جولوگ ذرا فاصلے سے یہ عمل کر رہے تھے ان کی کنکریاں جمرہ عقبٰی کو لگنے کے بجائے حاجیوں کو لگ رہی تھیں اور وہ کہہ رہے تھے، بھائیو ہمیں نہ مارو شیطان کو مارو۔

کنکریاں مار کر باہر نکلنا چاہا تو ایک ایرانی صاحب خواتین کے ہمراہ بہت تیزی سے باہر نکلے اور باہر بھی پیچھے کی طرف سے نکلنا چاہا، جس کے باعث مجمع کا نظم وضبط کچھ بگڑا، لیکن چند ایک لمحوں کے لیے۔ اگر انسان کسی ضابطے میں رہے اور ذرا دھیان کر لے تو کسی بھی قسم کی پریشانی سے بچا جا سکتا ہے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ ایک بڑا مرحلہ نہایت خوش اسلوبی سے طے ہوا۔

اب کچھ لوگ ویگن سٹاپ کی طرف اور کچھ ہماری طرح پیدل راستے پر گامزن ہوئے ۔ اب ہمارا سفر مکہ کی جانب ہے، تمتع اور قران والے کے لیے واجب ہے کہ حلق کروانے سے پہلے قربانی کا فریضہ ادا کر لیا گیا ہو، اور حج افراد والوں کے لیے مستحب ہے، ہر چند کہ بنک والوں نے تسلی دے دی تھی کہ آپ کے جمرات پہنچ کر شیطان کو کنکریاں مارنے تک قربانی ہو جائے گی ، ہم نے اپنی تسلی کے لیے کچھ انتظار کرنا مناسب سمجھا اور یہ وقت فاصلہ طے کرتے ہوئے گزرا۔ اب ہم مکہ جانے والے شیڈز میں پہنچ چکے تھے ۔شاہد کی

نگاہیں کسی حجام کی متلاشی تھیں جن کی آج چاندی تھی، کہیں کہیں کوئی سر منڈ واتا نظر آتا، شاہد ان کے پاس جاتے، لیکن پتہ چلتا وہ حجام نہ ہوتے ۔ کہیں کوئی بات نہ بنی، ہم آگے چلتے گئے ۔

ایک صاحب چار پانچ اصحاب کے نرغے میں اس عمل میں مصروف نظر آئے ۔ شاہد نے کہا ''نائی مل گیا ہے اب میرا کام ہوجائے گا۔''

وہ تیزی سے ان کی طرف گئے، میں کچھ فاصلے سے دیکھ رہی تھی، شاہد نے ان صاحب سے بات کی، انھوں نے اپنے ہاتھ والی حجامت مکمل کی اور پھر شاہد کی حجامت بنانا شروع کی ۔شاہد منٹوں میں حلق سے فارغ ہوکر آ گئے ۔

کہنے لگے ''جب میں نے انھیں کہا کہ میری حجامت بھی بنا دیں تو جواب ملا میں صرف اپنے دوستوں کی حجامت کر رہا ہوں ۔ میں نے پوچھا، کیا میں آپ کا دشمن ہوں؟ وہ صاحب زندہ دل شخص تھے ۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر میری حجامت بنا دی ۔ جب میں نے ہدیہ نذر کرنا چاہا تو ان کے دوست ہنس پڑے کہ جناب یہ مدراس کے بہت بڑے سیٹھ ہیں، انھیں ریالوں کی کیا پروا، چنانچہ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور آ گیا ۔''

اب میں بھی اپنے بالوں کی ایک لٹ کٹوا کر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوئی، ایک دوسرے کو مبارک باد دی کہ یہ مرحلہ بھی طے ہوا ۔ ایک نئے عزم کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا ۔

راستے میں کھڑے ٹرالرلسی اور جوس کے پیکٹ لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں ۔ ایک آدھ مرتبہ کوئی ہمیں بھی دے گیا، آگے بڑھے تو بہت سے لوگوں کے پاس کنگ سائز لنچ

بکس دیکھے۔ ایک ایک نہیں کئی کئی، کچھ لوگ بیٹھے کھا رہے ہیں، چکن روسٹ، بریانی، مالٹا، جوس اور نہ جانے کیا کیا، اس ایک لنچ بکس کے پیٹ میں سمایا ہوا ہے۔

میں نے شاہد سے کہا۔ ''یہ تو لگژری لنچ بکس ہیں، ہر ایک کے پاس ہے لیکن بانٹتا کوئی نظر نہیں آتا۔''

شاہد کہتے ہیں۔ ''ہمیں بھی مل جاتا تو اچھا تھا اب یہاں سے جا کر اتنے کام ہیں کہ ہوٹل جا کر کھانا کھانے کا موقع شاید نہ ملے، جب کہ صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں۔''

میں نے کہا ''جس پر ہمارا نام لکھا ہوگا وہ خود چل کر ہمارے پاس آ جائے گا۔''

اب ہم سرنگ پار کر کے حرم پاک والی سڑک پر آ گئے تھے اور سڑک کے کنارے کنارے چل رہے تھے، اچانک سامنے سے ایک بڑا سا ٹرک ہمارے قریب آیا، ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھے صاحب نے کچھ اشارہ کیا، میں سمجھی کہ وہ اپنا ٹرک یہاں پارک کرنا چاہتا ہے اور ہم اس کی راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ میں سڑک چھوڑ کر فٹ پاتھ پر ہوگئی اور وہ اپنا ٹرک ہمارے نزدیک لے آیا، ٹرک کے پچھلے کھلے حصے میں بیٹھے ایک صاحب نے نہایت تیزی سے ایک پلاسٹک بیگ میرے اور ایک شاہد کے ہاتھ میں تھمایا اور باقی حاجیوں کی طرف دیکھے بنا، اپنی منزل کی جانب روانہ ہوگیا۔ شاہد نے کہا ''واقعی جس دانے پر ہماری مہر تھی وہ خود چل کر ہمارے پاس آ گیا۔''

حرم پاک پہنچے تو ظہر کی نماز ادا کی جا رہی تھی، سوچا کہ اب بلڈنگ جا کر نہا دھو کر نماز پڑھ کر ہی حرم پاک آئیں گے۔ طواف زیارت احرام میں نہیں بلکہ عام لباس میں کرنا چاہیے۔

ہم اپنی رہائش گاہ پہنچے ۔خیال تھا کہ ہمارے ساتھی جو ہم سے کافی آ گے نکل چکے تھے اور جن کا کچھ سفر بس میں بھی طے کرنے کا ارادہ تھا، ہم سے پہلے پہنچ چکے ہوں گے، لیکن استقبالیہ سے معلوم ہوا کہ ابھی کوئی نہیں پہنچا، چابی لی کمرے میں آ ئے ۔شاہد نہانے چلے گئے، میں اس پلاسٹک بیگ کی طرف متوجہ ہوئی، جو ابھی کچھ دیر پہلے ہمیں ملا تھا، ایک ڈبے میں آدھا چکن روسٹ بسکٹ کا ایک بڑا رول، برگر کا ایک پیکٹ، خشک خوبانی، تلی ہوئی مونگ پھلی، کھجور، میں نے جلدی جلدی تھوڑا سا کھایا، اتنے میں شاہد غسل سے فارغ ہو گئے ۔انھوں نے نماز کی نیت کی اور میں نہانے کے لیے چلی گئی ۔

''عید'' کے کپڑے تو ہم منیٰ میں ہی چھوڑ آئے تھے کیونکہ ہمارا ارادہ تھا کہ خود قربانی کر کے حلق کے بعد اپنے خیمے میں جا کر احرام کھول کر نہا کر نیا لباس تبدیل کر کے طواف زیارت کے لیے جائیں گے، اب چونکہ ہمارے پروگرام میں یہ تبدیلی ہو چکی تھی، اس لیے اب جو بھی کپڑے یہاں موجود تھے، وہی پہنے، شاہد نماز پڑھ کر ہٹے تو میں نے نماز کی اور شاہد نے کھانے کی نیّت کی، جیسے ہی نماز ختم ہوئی، ہم تیزی سے حرم پاک کی طرف روانہ ہوئے ۔ہمارا ارادہ تھا کہ نماز عصر سے پہلے طواف زیارت سے فارغ ہو جائیں ۔

خانہ کعبہ پہنچے خیال تھا کہ چھبیس لاکھ کا مجمع، سبھی چاہیں گے کہ آج ہی طواف زیارت کا فرض ادا کر لیا جائے ۔ہم ذہنی طور پر تیار تھے کہ آج کا نقشہ ہی کچھ اور ہوگا، ہم نے اب تک جتنے طواف کیے تھے ہمیشہ کعبہ کے ساتھ ساتھ ہی کیے تھے ۔آج بھی ارادہ نیچے ہی طواف کرنے کا تھا اور جب ہم نے طواف شروع کیا نہایت اطمینان کے ساتھ، وہی معمول کا ہجوم، بلکہ اس سے بھی کم، بڑے سکون کے ساتھ ساڑھے پانچ چکر کیے تھے کہ عصر کی اذان

ہوگئی۔

شاہد نے کہا۔ ''اب سنتیں پڑھ لیتے ہیں''

میں نے کہا۔ ''آج سنتیں چھوڑ دیتے ہیں اور طواف مکمل کر لیتے ہیں''

لیکن شاہد کا خیال تھا۔ ''جب ہم نے پہلے کبھی سنتیں نہیں چھوڑیں تو آج کیوں؟''

خیر میں سنتیں ادا کرنے کے لیے خواتین کی طرف آئی اور شاہد مردوں میں جا کھڑے ہوئے، ابھی صفیں بھی سیدھی نہ ہوئی تھیں کہ ایک زبردست ریلے نے سب کچھ تہ و بالا کر دیا، کہاں کی نماز وہاں تو کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا، روز تو اذان کے بعد بمشکل سنت ادا کی جاتی تھی کہ امام صاحب فرض شروع کرا دیتے اور آج کافی وقفے کے بعد جماعت ہوئی۔فرض، کچھ سکون سے ادا کیے گئے، میں سوچتی رہی کہ اگر آج ہم سنت پڑھنے کے لیے نہ رکتے تو ہمارا طواف زیارت نمازِ عصر کی جماعت سے پہلے مکمل ہو جاتا۔

شاہد کو تلاش کرنا مشکل تھا۔ میں نے اپنا ڈیڑھ شوط مکمل کیا، چونکہ نماز عصر کے بعد نفل نہیں پڑھے جا سکتے، اس لیے میں طواف کے بعد مطاف سے نکل آئی لیکن اتنی آسانی سے نہیں۔ ازدحام سامنے کی طرف زور شور سے جا رہا ہو اور درمیان میں سے کوئی تنہا نکلنا چاہے تو اس کا کیا حشر ہوگا، اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں اس ہجوم سے صحیح سلامت باہر نکل آئی، شاہد کو دیکھنا چاہا، جو ممکن نظر نہ آیا، اس لیے اپنے ملاقات کے مقام پر آئی، یعنی جہاں کپڑے کا تھیلا رکھا تھا۔ وہاں پہنچی تو تھیلا نظر نہ آیا، مجھے خیال ہوا کہ شاید دوسری سیڑھیوں کے پاس رکھا ہو، وہاں پہنچی، ادھر بھی کچھ نہ تھا۔ واپس اسی مقام پر آئی کہ جگہ تو وہی تھی پھر تھیلا کہاں گیا، خیال آیا کہ شاہد مجھ سے پہلے پہنچ چکے ہوں گے اور انھوں نے تھیلا اٹھا لیا ہوگا، ابھی

پریشان ہونا شروع نہیں ہوئی تھی کہ شاہد نظر آ گئے۔معلوم ہوا کہ ہجوم کے پیش نظر صفائی کرنے والوں نے تھیلا کہیں کا کہیں پہنچا دیا تھا، جو شاہد جا کر لے آئے تھے۔

اب ہم سعی کے لیے روانہ ہوئے، پہلے دو چکر نیچے مکمل کیے۔بھیڑ میں اضافہ ہوا تو اگلے تین چکر پہلی منزل پر کیے اور آخری دو چکر چھت پر۔طواف وسعی اس قدر جلد مکمل ہوئی کہ یقین نہ آتا تھا،طواف کے پہلے ساڑھے پانچ چکر تو ہم نے پندرہ بیس منٹوں میں طے کر لیے تھے جب کہ اگلے ڈیڑھ چکروں نے کچھ وقت بھی لیا اور ہمیں جدا بھی کیا۔

ابھی مغرب کی نماز میں وقت باقی تھا۔میں وہیں چھت کے ایک پرسکون گوشے میں سیڑھیوں کے پاس بیٹھ گئی اور دعاؤں میں مصروف ہوئی، آج کے دن بھی مجھے گوشہء فراغت نصیب ہو گیا جو ایک ناممکن بات نظر آتی ہے۔سامنے طواف کرنے والوں کا ہجوم چیونٹی کی رفتار سے چل رہا ہے، چھت پر عام دنوں میں بھی طواف اتنا طویل ہوتا ہے کہ ایک گھنٹے سے بھی زائد وقت لگتا ہوگا، آج ان متوالوں کو نہ جانے کتنا وقت لگا ہوگا۔

مغرب کی اذان ہوئی ہم مروہ پہاڑی سے اتر کر نیچے آئے۔میں نے شاہد سے کہا ''مجھے یہ جگہ اوپری اوپری سی لگتی ہے، کچھ اپنائیت کا احساس نہیں ہو رہا۔باب عبدالعزیز کے ساتھ جو انسیت پیدا ہو چکی ہے، وہ یہاں مفقود ہے، حالانکہ ہم پہلے بھی یہاں کئی مرتبہ آ چکے ہیں۔''

صحن مسجد میں طواف کے نفل ادا کیے،مغرب کی نماز ادا کی تو اس نماز میں انتہائی سکون وطمانیت کا احساس ہوا، میں نے شکرانے کے نوافل ادا کرنے شروع کیے، وہی سر بلند گنبد، وہی در و دیوار وہی سنگ مرمر کے فرش جو لمحہ بھر پہلے اجنبی محسوس ہو رہے تھے اپنے

اپنے سے لگنے لگے، میر ا وہاں سے اٹھنے کو جی نہ چاہا۔شاہد پہلے تو انتظار کرتے رہے پھر کہنے لگے، اب اٹھو، ہمیں ابھی منیٰ پہنچنا ہے، ابھی دو قدم ہی چلے ہوں گے کہ ایک نمازی نے مجھے دو سیب پکڑا دیے۔

صحن مسجد کافی حد تک خالی تھا، یعنی ابھی بیشتر حاجی حالت سفر میں تھے، ہم سڑک پر آ گئے، خیال تھا کہ چونکہ شاہد کے دونوں پیروں کی انگلیاں طواف کے آخری چکر میں زخمی ہو گئی تھیں اور سعی بھی اسی حالت میں کی تھی، اس لیے اب بس ویگن یا ٹیکسی کر لیتے ہیں۔ایک ویگن ڈرائیور سے بات ہوئی اس نے کہا کہ جمرات سے پہلے ہی اتار دوں گا، بس والے نے بھی یہی کہا، جب کہ جمرات سے آگے منیٰ سے مزدلفہ کا سفر ہمیں زیادہ مشکل لگ رہا تھا۔ہم دونوں خاموشی سے سرنگ کی طرف چل دیے۔

آہستہ روی سے سفر کا آغاز کیا، سرنگ پار کی، شیڈز میں جانے سے پہلے میں نے شاہد سے کہا ''عشاء کی اذان کا وقت ہونے والا ہے، مجھے چند منٹ کی مہلت دے دیں، میں نماز پڑھ لوں۔''

میں نماز خاص طور سے عشاء کی نماز اول وقت میں ادا کرنے کی عادی ہوں، نماز عشاء کے بعد کی تسبیحات راستے میں پڑھتی جاؤں گی۔ان کا خیال تھا کہ راستے میں کہیں نہیں رکنا، خیمے تک مسلسل چلنا ہے، بڑی مشکل سے انھیں راضی کیا۔عشاء کی نماز اسی مختصر سے باغیچہ میں ادا کی، جہاں آٹھ ذی الحجہ کو اشراق کے نوافل ادا کیے تھے، پھر سفر کا سلسلہ شروع کیا۔

مجھے احساس تھا کہ شاہد کے دونوں پاؤں کی انگلیاں زخمی ہیں، ان کے لیے قدم

اٹھانا بھی مشکل ہورہا ہوگا، لیکن وہ رکنا نہیں چاہتے کہ اگر کہیں ستانے بیٹھ گئے تو دوبارہ چلنا مشکل نہ ہوجائے، ہم راستے بھر مختلف ورد کرتے جارہے تھے۔ کافی چلنے کے بعد ہم جمرات پہنچے۔

ہمیں منیٰ عبور کر کے مزدلفہ پہنچنا تھا۔ رات کے اس پہر راستہ چلنا اس لیے بھی دشوار ہورہا تھا کہ ترکی، انڈونیشیا اور نہ جانے کہاں کہاں کے حاجیوں کے بڑے بڑے گروہ دن بھر کے آرام کے بعد اب منیٰ سے جمرات کنکریاں مارنے جارہے تھے اور جو دن میں دیگر فرائض ادا کرچکے تھے وہ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوکر نہادھوکر تازہ دم طواف زیارت کے لیے جارہے تھے۔ دو ڈھائی سو افراد کا گروہ جب سامنے سے آتا تو ہمارا ان کے درمیان سے نکلنا مشکل ہوجاتا، پھر منیٰ کے راستے کے تمام شیڈز حاجیوں سے بھرے پڑے تھے۔ راستے میں انھوں نے اپنے بستر لگا رکھے تھے، ضروریات زندگی کا دوسرا سامان بھی ان کے ہمراہ تھا۔ ایک ترکی صاحب بڑے سے پتیلے میں کلیجی کی بوٹیاں بناتے نظر آئے۔ جگہ جگہ صفائی والے اوران کے دیوہیکل ٹرالر بھی موجود تھے اس قدر ہجوم میں بھی وہ اپنے فرائض سے غافل نہ تھے، مزدلفہ آچکا تھا، راستے کھلے ہوچکے تھے، لیکن خیمے تک پہنچنے کے لیے ابھی کچھ مسافت طے کرنا تھی۔

میں نے شاہد سے کہا کہ کھانا جو راستے سے خریدا تھا، یہیں بیٹھ کر کھا لیتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے وہیں سڑک پر دسترخوان لگایا، یعنی جائے نماز بچھایا۔ اتنے میں ایک شخص لسی کے دو پیکٹ پکڑا گیا، کھانا کھاتے ہوئے میں نے شاہد کو نیم تاریکی، نیم روشنی میں اپنے پاؤں کے چھالے دکھائے۔ جو بن بن کر پھٹ چکے تھے، وہ کہنے لگے میرے پاؤں کی فکر

کرتی رہیں، اپنے چھالے کیوں نہ دکھائے، میں نے کہا ۔

کانٹوں کی زباں پیاس سے سوکھ گئی یا رب
اک آبلہ پا اس وادیء پر خار میں آوے

تو یہاں کتنے تشنہ لب نہ جانے کب سے میرے منتظر تھے، میں کیسے شکوہ کرتی

ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ ہمارے ہمراہیوں کو نہ جانے کتنی مرتبہ چپل خریدنا پڑی تھی ۔ میں اور شاہد اسلام آباد سے جو دو دو جوڑے چپل کے لائے تھے انھوں نے ہمارا بہت ساتھ دیا۔ بلکہ ایک چپل تو میں نئی نکور واپس لے آئی کہ آئندہ حج یا عمرے کی جاگ لگی رہے، اسلام آباد میں حج کے لیے روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے میں نے فارد سے کہا تھا، یہ میرے پرانے گھسے موچی کے لے جاؤ، میں انھیں بھی ساتھ ہی لے جاؤں گی، یوں وہ گھسے جنھیں لے جانے کے متعلق میں نے سوچا بھی نہ تھا تمام حج میں میرا ساتھ دیتے رہے ۔آج لگا تار چودہ گھنٹے مسلسل چلنے کے سبب اگر ان کی وجہ سے تھوڑی سی تکلیف ہوئی تو یہ ان کا حق تھا، میں اب اکثر اپنی دوستوں کو مشورہ دیتی ہوں کہ حج پر اپنے پرانے گھسے ضرور لے جائیں ۔ وضو میں بھی آسانی اور پیدل چلنے میں بھی، خیر یہ تو جملہء معترضہ تھا۔

خیمے میں داخل ہونے سے پہلے ایک مرتبہ پھر وضو کیا، خیمے کا پردہ اٹھایا، خیمے کی حالت تبدیل ہو چکی تھی، درمیان سے پارٹیشن والی قنات اٹھائی جا چکی تھی اور وہاں جناب و بیگم منیر کے علاوہ، جو سو رہے تھے اور کوئی موجود نہ تھا۔

ہم نے شکرانے کے نوافل ادا کیے ۔شاہد نے عشا کی نماز پڑھی اور میں سوچ رہی تھی کہ جناب و بیگم منیر تو ہم سے بھی پہلے فارغ ہو کر آ گئے، انھیں سواری جلد مل گئی ہو گی ۔

اتنے میں باجی صبیحہ منیر کی آنکھ کھل گئی، ہمیں دیکھتے ہی بار بار ان کے منہ سے ایک ہی کلمہ نکلا ''شکر ہے کہ آپ لوگ آ گئے، میں آپ کی طرف سے بہت پریشان تھی۔ آپ لوگ خطرے کو خطرہ نہیں مشغلہ سمجھتے ہیں۔''

میں نے کہا ''آپ کیوں پریشان تھیں؟ پھر آپ تو ہم سے بھی تیز نکلے، کہ ہم اب پہنچ رہے ہیں اور آپ جا کر ہو بھی آئے اور اب مزے سے سو رہے ہیں۔''

کہنے لگیں ''بات تو سنو ہم تو جمرات سے کوئی دو فرلانگ پہلے ہی آپ سے بچھڑ گئے تھے، ذرا آگے پہنچے تو بہت بھیڑ تھی ایک صاحب ملے، کہنے لگے آگے جانا حماقت ہے اتنی بھیڑ میں آپ کو بالکل نہیں جانا چاہیے، بہتر ہے کہ آپ شام کو کنکریاں مار لیں۔ ہم ان کی بات پر غور کر ہی رہے تھے کہ منیر صاحب کو اپنی کزن نظر آ گئیں، ان کے شوہر ہجوم میں کہیں بچھڑ گئے تھے اور وہ بہت پریشان تھیں، انھیں لے کر ان کے خیمے میں گئے۔ کچھ دیر بعد ان کے شوہر ان کی تلاش میں، اس امید پر خیمے میں آ گئے کہ شاید وہ پہنچ چکی ہوں، ان کا مسئلہ حل ہوا تو ہم واپس خیمہ میں آ گئے۔ جمرات، مغرب کے بعد دوبارہ گئے اور کنکریاں مار کر واپس آئے، ابھی حلق کرانا ہے اس لیے احرام نہیں کھول سکے، اب تمہاری اس بات کا جواب کہ میں پریشان کیوں تھی؟ صبح ہم نے واپسی کا ارادہ اس لیے بھی کر لیا کہ ہمیں پتا چلا تھا کہ جمرات پر کنکریاں مارتے ہوئے ۳۵ حاجی کچلے گئے ہیں آپ کے متعلق سوچ سوچ کر میری تو جان ہی نکلی ہوئی تھی۔''

مجھے یاد آیا ہم تو ہجوم کے اس قدر منظم رہنے پر مسلسل داد دے رہے تھے۔ یہ حادثہ ہمارے جمرات پہنچنے سے کوئی دو گھنٹہ پہلے ہو چکا تھا اور منٹوں میں سب صفائی بھی ہو گئی تھی۔

جتنے منہ اتنی باتیں ،شنید ہے کہ ’’بڑے لوگوں‘‘ نے رمی کرنا تھی اس وجہ سے ہجوم کو کافی دیر قابو میں رکھنا پڑا، جب بڑے لوگ اس فرض سے عہدہ برا ہو چکے تو ہجوم چھوڑ آگیا اور وہ سب کچھ ہوگیا، جونہیں ہونا چاہیے تھا، کچھ کا خیال تھا کہ صحت مند تن وتوش کے مالک ایرانی ہاتھوں میں ہاتھ دیے تیزی سے آگے بڑھے اور لمحہ بھر میں سب کو کچل دیا۔میرے کانوں میں وہی آوازیں اور آنکھوں میں وہی منظر ٹھہر گیا کہ جب ہم مزدلفہ میں لب سڑک، رات گزارنے کی تیاری کر رہے تھے،سونے کی کوشش کر رہے تھے اور پھر عبادت میں مصروف تھے، تو یہ حاجی رات بھر ہمارے قریب سے بلند آواز سے لبیک کہتے جوش وجذبے سے روشن چہرے لیے،تیز تیز قدم اٹھاتے رات کے پہلے پہر سے ہی جمرات کی جانب رواں تھے۔کس کو خبر کہ اگلے لمحے کے لیے کاتب تقدیر نے لوح کائنات پر کیا تحریر کیا ہے۔

حکومت پاکستان نے اس سانحے کی اطلاع خبروں کے ذریعے عوام تک پہنچائی، ایک لاکھ گھرانے پریشان ہوئے۔گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو۔

رات ڈیڑھ بجے عباسی فیملی کے دس افراد پہنچے، وہ منیٰ تک کسی عزیز کی گاڑی میں آئے تھے، وہاں سے پیدل آنا پڑا،تھکن سے نڈھال ہورہے تھے، انھوں نے بتایا کہ وہ تو اسلام آباد میں اپنے گھر والوں کو اطلاع کر آئے ہیں کہ ہم خیریت سے ہیں اسی طرح ہمارے گروپ کا تیسرا مختصر خاندان جناب وبیگم عابد رات کوئی تین بجے پہنچا۔

صبح ہوئی تو رات کی کہانی سنائی ’’رات گیارہ بجے ہم طواف زیارت سے فارغ ہوئے،منیٰ واپسی کے لیے ویگن میں بیٹھے، ڈرائیور نے ہمیں جمرات سے بھی پہلے اترنے کو کہا، ہم نے اس بیابان میں اترنے سے انکار کیا۔اس نے کہا ’’فوراً اتریں ورنہ میں سب کو

واپس مکہ لے جاؤں گا۔''

مکہ مدینہ کے ڈرائیور تو ویسے بھی حاجیوں کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں لیکن اس روز مسافروں میں کوئی با اثر عربی شخصیت بھی موجود تھی، کافی تلخ کلامی کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ سب سواریاں اتر جائیں اور ڈرائیور کو ایک ریال بھی نہ دیا جائے۔ خاتون کافی تھک چکی تھیں، کہنے لگیں ''میں سارا راستہ کہتی آئی کہ یہاں اتنے لوگ سڑک پر دریاں بچھائے سو رہے ہیں، ہم بھی یہیں کسی جگہ دری بچھاتے ہیں اور سو رہتے ہیں آخر کل بھی تو رمی جمرات کے لیے یہیں آنا ہے پر صاحب نے مان کر نہ دیا، پھر یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ تمام مناسک ایک ہی روز میں ادا کیے جائیں، میں پاکستان جا کر آنے والے حاجیوں سے کہوں گی کہ طواف زیارت اگلے دن کے لیے رکھیں۔''

گیارہ ذی الحجہ کو تینوں جمروں کی رمی کی جاتی ہے، رمی کا وقت ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کو زوال آفتاب سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہے۔ مجبوراً رات کو بھی جائز ہے مگر بلا وجہ مکروہ ہے۔

وہاں یہ مسئلہ بھی زیر بحث رہا کہ کیا خواتین کا رمی کرنا ضروری ہے، اکثر مرد حضرات کا خیال تھا کہ جب اسلام نے سہولت دی ہے تو اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے، حالانکہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ سہولت ضعیف، کمزور اور بیمار عورتوں اور مردوں کے لیے ہے۔ ہم نے وہاں کافی لوگوں کو دیکھا کہ اپنی صحت مند بیویوں کی طرف سے خود رمی کی کہ اس قدر ہجوم میں نامحرموں کے دھکے لگتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے ضروری طواف کے علاوہ نفلی طواف بھی اسی لیے نہ کیے کہ مرد و عورت اکھٹے طواف کرتے ہیں جو

مناسب نہیں۔ ظاہر ہے ان کے ساتھ بحث کی ضرورت نہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو حج صرف مردوں پرفرض ہوتا، عورتوں پرنہیں، اس عبادت کے لیے مرد وعورت کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی، سبھی عبد ہیں جو اپنے معبود کے حضور دیوانہ وار طواف میں مصروف ہیں، اپنی اور اپنی گزشتہ اور آئندہ نسلوں کی مغفرت کے لیے، تیز تیز قدم اٹھاتے اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا اٹھنے والا ہر قدم صرف اور صرف تیری رضا کے لیے ہے۔

یہاں تک دیکھا گیا کہ بعض پردے کی پابند خواتین نے احرام کے دوران میں بھی اپنے چہرے کو نقاب سے اچھی طرح چھپایا ہوا تھا صرف ان کی آنکھیں دکھائی دیتی تھیں، دبے لفظوں میں ان کی توجہ اس جانب دلائی گئی کہ حالت احرام میں چہرے کی ہڈی کو کپڑا نہیں لگنا چاہیے۔ بال کوئی نظر نہ آئے لیکن چہرہ کھلا رہے، تو اس کا جواب یہی ملتا تھا کہ نامحرموں کے سامنے پردہ کیسے ترک کیا جا سکتا ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہاں جو کوئی جس انداز میں عبادت کر رہا ہے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

ظہر کی نماز پڑھ کر اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ ذرا بھیڑ کم ہو لے تو رمی کے لیے جائیں۔ بڑی مشکل سے اپنے ساتھیوں کو راضی کیا کہ اب خیمے سے نکلتے ہیں، منیٰ پہنچنے اور جمرات پر کنکریاں مارنے تک شام ہو جائے گی۔ خیمے سے نکلے، سفر کا آغاز کیا، کافی چلنے کے بعد جمرہ اولی آیا، سات کنکر الگ کیے، جمرات کے بالکل قریب بلکہ اس کی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر ہر کنکر پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر شیطان کو کنکر مارے، بھیڑ بہت تھی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ یہ فرض بہت اچھی طرح ادا ہو گیا۔ رمی کے بعد ذرا ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر استغفار، دیگر ذکر و اذکار اور درود شریف پڑھ کر دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر جمرہ وسطیٰ ہے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں شیطان کو مارنے کے بعد ذرا ہٹ کر قبلہ رو ہو کر جائز خواہشات کی تکمیل کے لیے دعا کی۔ پھر تیسرے جمرہ پر پہنچے اسی طرح سات کنکریاں جمرہ عقبیٰ پر ماریں، مگر تیسرے جمرے پر ٹھہرنے اور دعا کرنے کے بجائے تیزی سے واپس ہوئے کہ یہی مسنون ہے۔ ابھی چند قدم ہی واپس ہوئے ہوں گے کہ مغرب کی اذان کا وقت ہو گیا، قریب ہی مسجدِ خیف ہے۔

مسجدِ خیف پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، خیف پہاڑ کے دامن کو کہا جاتا ہے، اسی نسبت سے یہ مسجدِ خیف کے نام سے مشہور ہے، منیٰ کی اس سب سے بڑی مسجد کی فضیلت یہ ہے کہ آخری حج کے موقع پر رسول پاک کا خیمہ یہاں نصب کیا گیا تھا اور آپ نے یہاں پانچ نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ مسجدِ خیف کی جنوبی سمت جبل صفائح میں ایک چھوٹا سا غار ہے یہیں سورۃ مرسلات نازل ہوئی تھی، اس مسجد میں ستر انبیاء مدفون ہیں، اس عظیم الشان اور وسیع و عریض مسجد کو قریب سے دیکھنا اور یہاں نماز پڑھنا چاہتے تھے۔ آج قدرت کی جانب سے خود ہی انتظام ہو گیا۔

جمرات سے سڑک پار کر کے، مسجد تک اس ازدحام میں پہنچنا آسان نہ تھا اور پھر اس صورت میں کہ مغرب کی اذان بھی ہو چکی ہو، تیز تیز قدم بڑھاتے مسجد تک پہنچے، لیکن وہاں تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں، شاہد اور عابد صاحب تو مسجد خیف کے اندر کسی نہ کسی طرح پہنچ گئے، ہمیں شرطوں نے جانے نہ دیا۔ ہم وہاں صحن میں نماز کے لیے جگہ تلاش کر رہے تھے۔ جماعت شروع ہونے والی تھی، اتنے میں ایک خاتون نے اشارہ کیا کہ ادھر آ جائیں۔ خوب صورت دری پر نرم و ملائم جائے نماز بچھے ہیں۔ ساتھ چھوٹے چھوٹے کشن

رکھے ہیں۔معلوم ہوتا تھا کہ یہاں سے ابھی کوئی اٹھ کر وضو کے لیے گیا ہے۔خیر اللہ کی مہربانی سے جیسے ہی ہمیں نماز کے لیے جگہ ملی،نماز شروع ہوگئی۔

ایک بات البتہ محسوس ہوئی کہ مسجد نبوی یا مسجد حرام میں نماز کے لیے جگہ کتنی ہی دور کیوں نہ ملے،کہ ایک آدھ مرتبہ یوں بھی ہوا کہ بھیڑ کے باعث مسجد تک پہنچنا ممکن نہ ہوا اور جماعت شروع ہوگئی،لیکن کبھی بھی ہمیں نماز کی ادائیگی میں مشکل پیش نہ آئی۔امام صاحب یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے سامنے ہی ہوں،لیکن یہاں صحن مسجد میں نماز کے دوران میں امام صاحب کی آواز ہم تک ہوا کے دوش پر لہراتی ہوئی،بہت ہی مدہم انداز میں کبھی پہنچتی تھی اور کبھی نہیں بھی پہنچتی تھی،ہمارے قریب ہی ایک نمازی نے یہ نیکی کی کہ امام صاحب کی نہایت ہی مدہم آواز کے ساتھ مکبر کے فرائض سنبھال لیے،یوں ہمیں نماز کی ادائیگی میں مشکل نہ ہوئی،یہ احساس البتہ ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب لاؤڈ سپیکر کی سہولت موجود نہ تھی،حضور ﷺ کی امامت میں ادا کی جانے والی نماز اسی طرح ہوا کرتی ہوگی اور آج بھی جس کی پیروی میں امام صاحب کے ساتھ مکبر ہوتے ہیں۔

نماز بہت سکون سے ادا کی،ان خاتون کا شکریہ ادا کیا تو کہنے لگیں ''میں بھی یہاں خالی جگہ دیکھ کر بیٹھ گئی تھی۔مجھے نہیں معلوم کہ یہ جائے نماز کس کے ہیں''

ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ دو عربی حاجی آگئے،انھیں دیکھ کر ہم اٹھنے لگے تو انھوں نے کہا۔''آپ بیٹھیں''،لیکن ہمیں اب اٹھنا ہی تھا ان کا شکریہ ادا کیا اور مسجد خیف کے دروازے کی جانب چلے۔

ابھی مرد حضرات باہر نہ آئے تھے ان کے انتظار میں تھے کہ ایک انڈونیشی خاندان

مل گیا، انھوں نے ہمیں اپنے پاس بٹھا لیا۔ خاتون بہت محبت سے ملیں کہنے لگیں ''میری بڑی بہو پاکستانی ہے، ماشا اللہ بہت اچھی ہے، سعودی عرب میں وہ خاندان پندرہ بیس برس سے آباد ہے، میں نے یہیں ان کی شادی کی، میں اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے بھی پاکستانی لڑکی لانا چاہتی ہوں کوئی لڑکی بتاؤ۔''

اب چند لمحوں کی ملاقات میں ہم انھیں کیا بتاتے، البتہ اس پاکستانی لڑکی کے لیے دل سے دعا نکلی کہ جس کے حسن سلوک نے انھیں دوسری بہو بھی پاکستان سے لانے پر آمادہ کیا تھا۔

شاہد اور عابد صاحب آ گئے تھے اور تفصیل کے ساتھ مسجد دیکھ کر آئے تھے، ہم نے کہا کہ ہم بھی مسجد اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن شرطوں نے اندر جانے نہ دیا، بعد میں پتا چلا کہ خواتین کے لیے دوسرا دروازہ تھا۔

واپسی پر شیڈز سے گزرتے ہوئے جہاں بے شمار قطار اندر قطار، سفری ہوٹل موجود تھے۔ دن بھر کے تھکے ہوئے اور بھوکے، ہم لوگ اب اچھا سا کھانا چاہتے تھے، سب نے یہ ذمہ داری مجھے سونپ دی کہ آج آپ کا منتخب کردہ کھانا کھائیں گے۔ ہجوم بے انتہا تھا۔ کئی پتیلے جھانکے، بلکہ تمام ہوٹلوں کے سارے پتیلے چھانے، لیکن کہیں بھی وہ دانہ نظر نہ آیا جس پر ہماری مہر لگی ہو، اب سب کہنے لگے کہ یا تو آج آپ ہمیں ہوا کھلائیں گی یا آخر میں جو بھی ہے اور جیسا بھی ہے، کی بنیاد پر جو کھانا میسر ہوا کھانے پر مجبور کریں گی، اس لیے اگلے پتیلے میں جو کچھ بھی ہو، صبر شکر کر کے کھا لیا جائے، لیکن جو کچھ اس پتیلے میں تھا وہ ان کے لیے نا قابل قبول تھا، شاید چالیس کی گنتی پوری ہو گئی تھی اور یہ دھڑکا الگ کہ اب تو ہوٹل ختم ہو

رہے ہیں، کہیں میری وجہ سے سبھی کو بھوکا نہ رہنا پڑے اور پھر ہم نے ایک ایسا پتیلا پا ہی لیا کہ جس میں اللہ کے ان چار بلکہ کچھ زیادہ ہی بندوں کے لیے بہترین چکن بریانی تیار کی گئی تھی، سب نے نعرہ تشکر بلند کیا اور فوری طور پر گرما گرم بریانی پیک کرالی گئی۔ بریانی کی اشتہا انگیز خوشبو نے سفر اور طویل کر دیا جتنا آگے بڑھتے منزل اتنی ہی دور ہوتی جاتی ،مزدلفہ آ گیا لیکن خیمہ آنے کا نام نہ لیتا تھا ۔

ضعف جنوں کو وقت تپش در بھی دور تھا
اک گھر میں مختصر سا بیاباں ضرور تھا

اس سفر کے دوران میں یہ احساس البتہ بہت رہا کہ انسان اکیلے سفر کر رہا ہو تو تمام راستہ درود و اذکار میں مصروف رہتا ہے اور کسی اور جانب دھیان کم ہی جاتا ہے۔

۱۲ ذی الحجہ کو بھی رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، آج کے دن حاجی کو اختیار ہے کہ وہ تیرہ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کرے یا بارہ ذی الحجہ کو رمی کے بعد مکہ کے لیے روانہ ہو جائے ،شرط صرف اتنی ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے نکلنا ہوگا، اگر آفتاب غروب ہو گیا تو منیٰ سے نکلنا مکروہ ہے، اب منیٰ میں رات کا قیام ناگزیر ہو گیا اور تیرہ کو اس دن کی رمی کے بعد ہی مکہ جا سکے گا، کہ اگر رمی کے بغیر روانہ ہوا تو دم واجب ہوگا۔

ظہر کی نماز حسب معمول اپنے اپنے خیموں میں ادا کی، ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اپنا سامان ساتھ ہی لے جائیں گے اور تینوں جمرات پر رمی کرتے ہوئے مکہ کی طرف مغرب کی اذان سے کہیں پہلے نکل جائیں گے۔ ہمارے ساتھیوں کا خیال تھا کہ وہ کنکریاں مارنے کے بعد واپس منیٰ آئیں گے اور تیرہ تاریخ کو آرام سے مکتب کی بسوں میں مکہ جائیں گے۔

ہمارے لیے یہ ممکن نہ تھا مزدلفہ سے پانچ میل کا فاصلہ طے کر کے جمرات پہنچیں اور پھر جمرات سے واپس پانچ میل آئیں اور پھر دوسرے دن مکتب کی بسیں تلاش کریں اور پھر رمی کرتے ہوئے مکہ آئیں۔

ساتھیوں کو رائے دی کہ اگر مناسب سمجھیں تو آپ بھی اپنا سامان ساتھ لے لیں اور ہمارے ساتھ ہی مکہ چلیں کہ جتنا آپ واپس آئیں گے اتنا ہی آگے چلیں تو حرم پاک پہنچ جائیں گے۔ جمرات کے بعد آپ کو ویگن یا بس بھی مل سکتی ہے۔ انھوں نے اثبات میں جواب دیا، ظہر کے بعد ہم نکلنے کے لیے تیار تھے۔ ٹرالی نے بہت ساتھ دیا۔ سامان اس پر باندھا۔ ہمارے ساتھیوں کا خیال تھا کہ بھیڑ کچھ کم ہو لے تو چلیں، خیر انھیں راضی کیا کہ اس وقت موسم بہت اچھا ہو رہا ہے بادل آئے ہوئے ہیں ایسا نہ ہو کہ دھوپ نکل آئے، سب نے رختِ سفر باندھا۔

آج ہمارے ساتھ تھا، ہمارے گروپ کا سب سے کم عمر حاجی، وہ راولپنڈی کے کسی سرکاری محکمہ میں کام کرتا ہے اور دفتر میں ہونے والی قرعہ اندازی میں اس کا نام نکلا ہے اور بالکل درست نکلا ہے، انتہائی نیک اور خدمت گزار، وہ مکہ تک پیدل جانا چاہتا تھا اور اس بات سے بہت خوش تھا کہ ہم بھی پیدل جا رہے ہیں اور اب تو ہمارے دیگر ساتھیوں نے بھی ہمارے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا تھا، موسم انتہائی خوبصورت تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ حج کے تمام ارکان اللہ کے فضل و کرم سے بہ حسن و خوبی مکمل ہو چکے تھے اور ہم خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

ہم اسلام آباد سے سخت ترین ذہنی اور جسمانی مشقت کے ساتھ کی جانے والی

عبادت کا تصور لے کر گئے تھے۔ ہر مرحلے پر کہتے یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ مرحلہ تو مکھن ملائی کی طرح گزر گیا، تو اگلے مرحلے کو آسان فرما، اور اللہ کی مہربانی سے اگلا مرحلہ بھی اسی آسانی سے طے ہو جاتا اور آج حج کے تمام مناسک ادا کرنے کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ ہم تو اول روز سے ہی ذہنی طور پر تیار تھے کہ حج مشقت سہ کر، تکلیف اٹھا کر عبادت کرنے کا نام ہے تو یہ سارا حج تو انتہائی آسانی سے ہو گیا۔ اس میں کچھ بھی کمال ہمارا نہ تھا کہ حج کی نیت ہی ان الفاظ پر مشتمل ہے۔

''اے اللہ میں حج کی نیت کرتا ہوں، پس اس کو میرے لیے آسان کر دے اور مجھ سے قبول کر لے اور اس میں میری مدد فرما''......تو جب آپ نے اتنے خشوع وخضوع سے دعا مانگی ہو تو وہ رد کیسے ہو سکتی تھی۔

جمرات کے پل پر پہنچے تو شرطوں نے سامان والی ٹرالی ساتھ نہ لے جانے دی، فیصلہ ہوا کہ پہلے دو افراد یہ فرض ادا کر آئیں تو وہ سامان کے ساتھ کھڑے ہوں پھر باقی گروپ جائے۔ صدیق اور منیر صاحب رمی کے لیے پہلے گئے۔

تیسرے جمرے پر کنکریاں مارتے ہوئے بادلوں سے گھرے آسمان سے آتی گنگناتی بوندوں نے تیز اور موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی۔میرے مولا کے جلوؤں کے ازدحام نے حیران کر دیا، سرخوشی کی کیفیت میں مزید اضافہ ہوا، برستی بارش میں جمرات سے نکل کر نیچے سڑک پر آ گئے۔

شاہد نے کہا ''تم لوگ یہیں رکو میں اپنے دونوں حاجیوں اور سامان کو لے کر آتا ہوں۔''

ہم چند قدم چلے تو دونوں حاجیوں کو سامان سمیت موجود پایا، اب ہمیں شاہد کا انتظار کرنا تھا۔سامنے ٹرالر کھڑا تھا، دودھ اور جوس کے پیکٹ حاجیوں میں تقسیم ہور ہے تھے، صدیق نے برستی بارش میں ہم سب کو جوس اور دودھ کے پیکٹ لا کر دیے، مجھے یاد آیا کہ میدان عرفات میں بھی وہ اسی طرح سب کو لسی اور جوس کے پیکٹ لا کر دیتا رہا تھا، خود روزے سے تھا جب اسے کہتے کہ اپنے لیے بھی کچھ رکھ لو ایسا نہ ہو کہ افطار کے وقت کچھ نہ ملے تو مسکرا کر کہتا، اللہ مالک ہے۔ یہاں بھی تیز بارش میں اس نے ہم سب کو جوس لا کر دیے۔

ہم دیکھ رہے تھے کہ جوس بانٹنے والے دو چار منٹ کے لیے رک جاتے اور پھر تقسیم کرنا شروع کر دیتے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ کوئی بھی صاحبِ دل ٹرالر والوں کو کہہ دیتا ہے کہ میری جانب سے اتنی رقم کے جوس تقسیم کر دیے جائیں وہ تقسیم ہو جاتے تو کوئی اور صاحب کھڑے ہو جاتے تو مختصر وقفہ اس حساب کتاب کے باعث آ جاتا۔ ہم دس منٹ تک یہ تماشا دیکھتے رہے۔

شاہد جو اس دوران منیر صاحب کو ڈھونڈنے گئے تھے واپس آئے اور انھیں ہمارے درمیان کھڑا دیکھ کر سکون کا سانس لیا، جناب و بیگم منیر نے جمرات سے مکہ تک کا سفر بس میں طے کرنے کا ارادہ کیا تھا بیگم منیر کی طبیعت کے پیش نظر انھیں بس سٹاپ پر رخصت کیا، باقی ساتھیوں نے ہمارے ساتھ پیدل چلنے کی ہمت کر لی۔سفر طویل تھا لیکن مشکل نہ تھا۔ بارش رک چکی تھی موسم میں خنکی کا خوشگوار احساس ہو رہا تھا، عصر کا وقت نکلتا جا رہا تھا لیکن سب نے فیصلہ کیا کہ عصر کی نماز مکہ جا کر قضا پڑھ لی جائے کیونکہ ہم بارش میں پوری

طرح بھیگ چکے تھے اور سڑکوں سے گزرنے والا پانی پاک تو نہ ہوگا۔ مجھے افسوس تھا کہ ایک مفروضہ کی بنیاد پر ہم عصر کی نماز قضا کر رہے ہیں۔ بہر حال حرم پاک کے قریب سے گزرتے ہوئے اپنی رہائش گاہ کی جانب چلتے گئے۔

گھر جانے سے پہلے اسلام آباد فون کر کے بچوں کو اپنی خیریت کی اطلاع دی، وہ پریشان تھے کہ سب پوچھتے تھے کہ امی ابو کا فون آیا تو ہمیں نفی میں جواب دینا پڑتا تھا، البتہ یہ ہوا کہ جمرات میں کچلے جانے والے حاجیوں کی اطلاع، ناموں کے ساتھ، حکومت پاکستان نے فوری طور پر نشر کر دی تھی۔

مکہ میں بھی شدید بارش ہوئی تھی نشیبی علاقہ ہونے کے باعث مکہ کی سڑکوں پر پانی کھڑا تھا، گھر پہنچ کر عصر اور مغرب کی نماز ادا کی۔ جناب و بیگم منیر رات گئے گھر آئے۔ معلوم ہوا کہ انھیں بھی بس نہ مل سکی تھی اور وہ بھی پیدل ہی مکہ آئے۔

آج حرم پاک کی دھج ہی نرالی ہے۔ پرسوں طواف زیارت کے موقع پر اسے حالت احرام میں دیکھا تھا اب احرام کھل چکا ہے، نیا لباس سنہری کام کے ساتھ نگاہوں کو خیرہ کر رہا ہے۔ آج خانہء کعبہ کسی یار طرحدار کی طرح خود اپنے حسن پر نازاں ہے اور اسے بھی یہ احساس ہو رہا ہے کہ سیاہ لباس اس پر کتنا سج رہا ہے۔ مجھے خیال آتا ہے، کالی کملی حضور پاک ﷺ پر اسی طرح سجتی ہوگی جس طرح آج کعبۃ اللہ کی چھب دیکھنے کے قابل ہے۔ میں سوچتی ہوں غلاف کعبہ کی تاریخ و روایت کیا ہے سب سے پہلے کب، کیوں اور کس نے اس روایت کا آغاز کیا۔

''سب سے پہلا غلاف، اسلام سے نو صدی پہلے یمن کے بادشاہ تبع حمیری نے

چڑھایا تھا، پھر اسد حمیری نے، ان کے بعد قریشِ مکہ نے غلاف کعبہ کو مستقل کر دیا، انھوں نے حریر کا غلاف چڑھایا، حضور ﷺ نے یمنی اور قباطی چادر کا، خلفائے راشدین نے آپ ہی کا اتباع کیا، عبداللہؓ بن زبیر اور امیر معاویہ نے دیباج کا، بنوامیہ نے دیبا کا اور پھر مختلف قسم کے نفیس و اعلیٰ ریشم استعمال کیے گئے، مامون الرشید ہر سال تین پڑے چڑھایا کرتا تھا، آٹھویں ذی الحجہ کو دیبائے احمر کا، یکم رجب کو قباطی کا، ۲۷ رمضان المبارک کو دیبائے سفید کا، متوکل عباسی نے بھی مامون کی تقلید کی، البتہ ناصر عباسی نے پہلی مرتبہ سیاہ رنگ کا ریشمی غلاف چڑھایا۔

سلطنت عباسیہ کی جگہ سلاطین ترک نے لی تو پہلا بادشاہ جس کو یہ شرف حاصل ہوا وہ الظاہر بیبرس صالحی، شاہ مصر تھا، سلطان صالح بن سلطان قلاؤں نے مصر میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، تو اس نے دو گاؤں مصارف غلاف کے لیے وقف کیے۔ سلطان سلیمان نے اپنے عہد میں مزید چند گاؤں کا اضافہ کر دیا، ان سے پہلے مہدی حج کے لیے آیا تو بیت اللہ غلافوں سے اٹا پڑا تھا اس نے تمام پرانے غلاف اتر وادیے اور صرف ایک غلاف رہنے دیا، تب سے ہر سال پرانا غلاف اتارنے اور نیا غلاف چڑھانے کی رسم پڑ گئی۔ پہلے پہل غلاف کے مختلف رنگ رہے، کبھی سفید کبھی سیاہ، کبھی سبز کبھی سرخ، لیکن عباسی خلفاء نے سیاہ رنگ مخصوص کر دیا اور تب سے اب تک یہی رنگ چلا آ رہا ہے، محمد علی پاشا کے عہد سے مصری حکومت نے ہر سال غلاف بھیجنے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی۔ ایک کارخانہ مصر میں غلاف کی تیاری کے لیے قائم کیا گیا۔ جو اب بھی ہے، اس کے سپرد صرف غلاف کی تیاری کا کام تھا۔ ہر سال تقریباً پچاس ہزار مصری پونڈ اس پر صرف ہوتے تھے، پہلے یہ غلاف مصر سے محمل

میں آیا کرتا اور اعیان سلطنت اس کے ساتھ ہوتے تھے، اب آل سعود کی حکومت نے یہ رسم ترک کردی ہے، بلکہ غلاف حجاز میں ہی تیار ہونے لگا ہے۔

بیت اللہ کے چاروں طرف غلاف چڑھا ہوتا ہے اور اس پر آیات قرآنی منقش ہوتی ہیں، حرم کی روشنیوں کے ہالہ میں غلاف اتنا بھلا معلوم ہوتا ہے کہ بھلا کے لفظ کا اس سے بہتر استعمال ہی نہیں۔ ایک عمارت ایک عبا پہن کر کھڑی ہے، جس سے سطوت، عظمت اور حشمت ٹپکتی ہے، دنیا میں کوئی عمارت ایسی نہ ہوگی جو ہر دور کی ہر ساعت میں لوگوں کا مرکز ہو اور جہاں دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی ثانیہ طواف کے بغیر گزرتا ہو، روشنیوں نے کعبۃ اللہ کو اس طرح جگمگا رکھا ہے کہ ہر لحظہ بقعہء نور نظر آتا ہے رات کو یہ منظر اور بھی دلکش ہو جاتا ہے۔'' (شورش کاشمیری، شب جائے کہ من بودم صفحہ ۴۴، ۴۵)

اس مرتبہ بھی غلاف کعبہ مکہ کے قریب ہی ایک کارخانے کے تین سو خوش نصیبوں کے ہاتھوں تیار ہوا۔

حرم پاک ہر دل میں بستا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ہر دل میں وہاں جانے کی شدید تمنا پائی جاتی ہے۔ وہ جو بلاوے کے منتظر ہیں وہ ایک بار ضرور جانا چاہتے ہیں اور جو ایک بار ہو آئے ہیں، وہ بار بار جانا چاہتے ہیں، جب حالات ایسے ہوں تو میزبانوں کو بار بار کیوں نہ گھر کی توسیع کرنا پڑے۔ صدیوں سے اس کی تعمیر و توسیع کا کام جاری ہے اور انشا اللہ اس میں توسیع ہوتی رہے گی۔

خادم حرمین شریفین، شاہ فہد بن عبد العزیز کے عہد میں کی گئی توسیع کے مطابق مسجد کا رقبہ ۳۰۰۰، ۸۰۰ ،۲ مربع میٹر، چھت پر نماز کا رقبہ ۰۰۰، ۶۱ مربع میٹر، مسجد کے اطراف صحن

۵۹،۰۰۰ مربع میٹر، یوں مسجد کا کل رقبہ ۳،۲۸،۰۰۰ مربع میٹر ہے۔ عام دنوں میں نمازیوں کی تعداد ۷،۳۰،۰۰۰ ہوتی ہے، جب کہ حج، رمضان اور دیگر خاص مواقع پر یہ تعداد ایک ملین سے تجاوز کر جاتی ہے۔ حرم پاک کے میناروں کی تعداد ۹ ہے اور ان کی بلندی ۸۹ میٹر ہے۔ سات برقی زینے اور گیارہ سیڑھیوں کے راستے ہمہ وقت عشاق کے لیے اپنے بازو وا رکھتے ہیں۔ مسجد سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع، ائر کنڈیشنگ پلانٹ، جس کی گنجائش ۴،۰۰۰ ٹن ہے، حرم پاک کو شدید گرم موسم میں بھی عبادت گزاروں کے لیے خنک رکھتا ہے۔

خیال تھا کہ حج کے بعد حاجیوں کی تعداد میں فوری کمی نظر آئے گی، مگر ایسا نہ ہوا اور ہم نے جو طے کیا تھا کہ حج کے بعد طواف کے مواقع خوب ملیں گے جی بھر کے طواف کریں گے اور عمرے بھی کریں گے، لیکن ایسا نہ ہو سکا، ایک رات تہجد کے وقت اس نیت سے نکلے کہ اس وقت رش نہ ہوگا، دو چار طواف تو ضرور کرلیں گے، ویسے بھی شاہد کی عادت تھی وہ طواف کے لیے جاتے تو اکٹھے چار طواف کا ارادہ کر لیتے، اس پر مجھے ان کی اس عادت کا خیال آتا کہ پانی نہیں پئیں گے تو سارا دن نہیں پئیں گے اور جب پینے پر آئیں گے تو گلاس میں نہیں جگ کو منہ لگالیں گے۔

اس رات کہاں ہم چار طواف کی نیت کا ارادہ رکھتے تھے اور کہاں یہ حالت کہ اس قدر بھیڑ کہ ہم باب عبدالعزیز یا کسی بھی دروازے تک پہنچ ہی نہ سکے۔ مدینہ جانے سے پہلے جو ایک ایک روز میں آٹھ آٹھ، نو نو طواف کر لیے جاتے تھے، اب ایسا ممکن نہ تھا، پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ ان چار پانچ دنوں میں جب بھی طواف کا موقع ملا۔ طواف وداع کی نیت سے

ی طواف کیا۔

طوافِ وداع کرتے ہوئے انسان دعاؤں کے معاملے میں بہت حریص ہو جاتا ہے کہ پھر موقع ملے کہ نہ ملے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے دیگر دعاؤں کے علاوہ یہ دعا بہت مانگی کہ میرے مولا مجھے عینک کے عذاب سے نجات دلا میں اس کی محتاجی کے بغیر لکھ پڑھ سکوں، اس دعا کا محرک شاید وہ واقعہ تھا جو آج سے کوئی تیس برس پہلے پیش آیا تھا۔

ابا جی ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۷۳ء میں حج کے لیے گئے تھے۔ وہ نوجوانی کی عمر سے دوروںز دیک کا مشترکہ چشمہ استعمال کیا کرتے تھے۔ ایک روز دورانِ طواف انھیں ایسا دھکا لگا کہ عینک گر گئی۔ گری ہوئی چیز کا اٹھانا ممکن نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نہایت غمزدہ حالت میں طواف مکمل کیا اور پھر یہ سوچتے ہوئے میرے آنسو بہ نکلے کہ میں اس مقدس مقام پر ہوں کہ جہاں ایک ایک حرف کی تلاوت کا بے پناہ اجر وثواب ہے۔ اب میں اس سعادت سے محروم رہ جاؤں گا۔ مجھے کردہ ناکردہ، سبھی گناہ یاد آنے لگے۔ بہت بچپن میں مجھے والد سے محرومی کا دکھ برداشت کرنا پڑا تھا، لیکن محرومی کے معنی مجھ پر اس روز کھلے۔ میں دکھ اور مایوسی کی اندھیری چادر اوڑھے پریشان بیٹھا تھا کہ اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے کہا ''نذیر، اٹھ قرآن شریف کھول تو سہی۔''

اور پھر میں نے دیکھا ایک ایک حرف زیر زبر سب کچھ روشن اور واضح تھا۔ میں جو چالیس سال سے بغیر عینک کے کچھ نہ پڑھ سکتا تھا، اب روانی سے کلام پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔

اور پھر سب نے یہ دیکھا کہ ۱۹۹۸ء، اپنی زندگی کے آخری دنوں تک وہ تلاوت

قرآن مجید اور اخبار کا مطالعہ بغیر کسی چشمے کے کرتے رہے۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ ابا جی قرآن پاک کی حرمت میں بہت محتاط تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ان کی واحد مصروفیت یہی تھی کہ مسجد الفلاح، مسجد طیبہ اور مسجد رحمانیہ سے کلام پاک کے بوسیدہ نسخے اٹھا لاتے، انھیں جوڑتے، جلد کرتے یا کرواتے اور واپس پہنچا آتے۔تلاوت کلام مجید اکانوے برس کی عمر تک ٹیک لگا کرنہیں کرتے تھے کہ ادب کے منافی ہے۔

دعا تو میں نے اپنی نظر کے لیے بہت کی کہ شاید ابا جی کی طرح مجھ پر بھی اللہ کا کرم ہوجائے لیکن یہ نہ سوچا کہ میں تو چار چار چشمے بنوا کر ساتھ لے گئی تھی۔

حرم پاک جاتے ہوئے، سڑک سے گزرتے ہوئے، امام کعبہ عمر بن عبداللہ السبیل کی پر اثر آواز میں تلاوت کانوں میں شہد گھولتی، دل کو گداز اور روح کو کیف وسرور سے آشنا کرتی یہ احساس جگاتی، اس آواز میں کلام پاک سننے کا جو نشہ ہے وہ کسی اور شے میں کہاں ہو سکتا ہے۔ وہ جب امامت کراتے ان کی آواز میں ایک بچے کی سی معصومیت، مادر مہربان کی سی ملائمت، ایک مذہبی پیشوا کی سی تمکنت اور رعب ودبدبہ ہوتا، یہ آواز دلوں کو مسحور کردیتی۔ اسلام آباد آکر بھی وہ آواز کانوں میں گونجتی رہی اور پھر اہل پاکستان کی خوش نصیبی کہ ماہ رمضان میں ان کی تلاوت روز صبح چھ سے سات بجے تک ٹی۔وی پر سننے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، یہ آواز سن کر محسوس ہوتا، ہم مکہ کی انھی گلیوں میں تیز تیز قدم اٹھاتے حرم پاک کی طرف رواں ہیں کہ راستے میں سی۔ڈیز کی دکان سے نشر ہوتی تلاوت کی حلاوت ہمارے ہمراہ ہوتی، یہ وہی آواز ہے جو ہماری نماز کو ارتکاز بخشتی ہے، کس قدر سکون وطمانیت کا احساس ہوتا ہے اس آواز کو سن کر......

اور پھر ایسا ہوا کہ ایک روز اخبار میں خبر پڑھی امام کعبہ اہل خانہ کے ہمراہ اپنے گاؤں جا رہے تھے کہ طائف کے مقام پر ان کی گاڑی کا ٹائر پھٹ گیا، گاڑی کی تباہی کا کیا ذکر، گاڑی میں موجود سبھی افراد شدید زخمی ہوئے، جنھیں طائف کے ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا ہے، خبر پڑھ کر پریشانی ہوئی، جسے دعاؤں سے ٹالنے کی کوشش کی، لیکن موت کب ٹلتی ہے، ان کی صحت یابی کے لیے کس کس نے دعا نہ کی ہوگی لیکن موت برحق ہے ۱۶ مارچ ۲۰۰۲ کے تمام اخبارات میں ان کی رحلت کی خبر شائع ہوئی، ان کی نماز جنازہ بعد نماز عشاء بیت اللہ شریف میں پڑھائی گئی۔ **انا للہ و انا علیہ راجعون۔**

وہ جامعہ ام القراء میں شریعت کالج کے شعبہ قضاء کے استاد تھے۔ دس سال تک امام کعبہ نے بیت اللہ شریف میں نماز پڑھائی۔ جہاں آپ نے ہزاروں مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھائی، آج اسی مقام پر ان کا جسد خاکی رکھا گیا، یہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ صدر پاکستان، جنرل پرویز مشرف نے اہل پاکستان کی جانب سے دلی صدمے کا اظہار کیا۔

حج سے وابستہ ایک ایک یاد اور ایک ایک لمحہ ایک ایک ساتھی کس قدر عزیز ہوتا ہے اس کا اندازہ حج کے بعد ہو رہا ہے۔

اس سال میرے کالج کی چھ اساتذہ حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئیں۔ محترمہ ریحانہ رشید، محترمہ فرحت نثار، محترمہ عزیز فاطمہ، محترمہ شمیم اشتیاق اور محترمہ میمونہ عارف۔ میمونہ عارف کا پروگرام اس وقت بنا جب کہ درخواستیں جمع ہوچکی تھیں بلکہ قرعہ اندازی بھی ہوگئی تھی، ۳۰ فروری کو میری حج کے لیے روانگی تھی، اس وقت تک میمونہ کی سیٹ

یقینی نہ تھی، اس کی جانب سے کسی قدر پریشانی تھی کہ اس نے اتنی خواہش اور کوشش کر کے یہاں تک کامیابی حاصل کر لی ہے تو آگے بھی اس کے سارے راستے سیدھے ہوتے جائیں۔

ہم نے یہیں طے کر لیا تھا کہ وہاں ایک دوسرے کی تلاش میں وقت ضائع نہ کریں گے اگر اتفاقیہ ملاقات ہوگئی تو بہت اچھی بات ہے۔شاہد کے دفتر سے جناب وبیگم بابر اعوان گئے تھے۔لیکن وہاں کسی سے بھی ملاقات نہ ہوئی ۔ ہر چند کہ یہاں آ کر علم ہوا کہ بیشتر لوگ خانہء کعبہ جانے کے لیے انھی دروازوں کو استعمال کرتے رہے تھے جن سے ہم آیا جایا کرتے تھے۔

ہمارے محلے سے جناب وبیگم راحت منیر جو اتفاق سے ہمارے ہی گروپ میں تھے، جناب بھٹی اور جناب عمر دین تھے۔ ان سب سے مسلسل رابطہ رہا، پھر ہمارے برابر والے کمرے میں رہائش پذیر حجاج کرام بہت ہی محبت کرنے اور دھیان رکھنے والے تھے۔ وہ چونکہ گھر پہ کھانا بناتے تھے اس لیے اکثر ہمیں بھی دیارِ غیر میں گھر کے کھانے کا مزہ مل جایا کرتا تھا۔ جناب رنگ الٰہی، ان کے بھتیجے ریحان اور اس کی امی، جب بھی ملتے انتہائی اپنائیت سے ملتے۔ ہمارے اپنے کمرے کے ساتھیوں میں جناب وبیگم عابد پراچہ کا بہت اچھا ساتھ رہا، اکثر مقامات پر ہم اکٹھے رہے۔ جناب وبیگم صوفی امجد پرویز کے ساتھ بھی بہت اچھا وقت گزرا۔

واپسی

۹مارچ کو بچوں کو فون کیا ''ہم ۱۳تاریخ کو مکہ سے جدہ کے لیے روانہ ہوں گے اور وہاں سے ۱۴کی صبح آٹھ بجے اسلام آباد کے لیے روانہ ہوں گے'' انھیں فون کرنے کے بعد حسب عادت ناصر بھائی کا نمبر اس امید بلکہ یقین کے ساتھ ملایا کہ ان سے کہاں بات ہو سکے گی۔

ناصر بھائی اسلام آباد میں ہمارے ہمسائے ہیں، تین چار برسوں سے جدہ میں مقیم ہیں، یہاں ان کی والدہ کا پیغام سرمد فون پر دیا کرتا ''آنٹی مرتھنے کہہ رہی ہیں کہ آپ ناصر بھائی سے ضرور بات کریں، ان کی ڈیوٹی آج کل حرم پاک ہی میں ہے۔''

اس نے جو موبائیل نمبر لکھوایا اس پر رابطہ کرتے تو اس پر ہمیشہ ایک ہی ٹیپ چل رہی ہوتی ۔حرم پاک میں تلاش کرنے کی کوشش کی ،لیکن صرف نام کے ساتھ تلاش ناممکن تھی کہ ہر ایک پوچھتا کہ کس شعبے میں ہیں، کیا کام کرتے ہیں تو اس کا جواب ہمارے پاس نہ ہوتا اور سرمد بھی آنٹی سے پوچھنا بھول جاتا ،شروع میں تو بہت زیادہ خواہش تھی کہ ان سے ملاقات ہو جاتی تو زیارتیں زیادہ آسانی کے ساتھ اور اچھے طریقے سے کر لیتے، لیکن اب

مایوس ہو چکے تھے اور اب جو بالکل نا امیدی کی حالت میں نمبر ملایا تو ناصر بھائی سے بات ہو گئی۔

اب ان کی طرف سے اصرار کہ آپ بتائیں کس جگہ پر ہیں، میں آپ کو لینے آ رہا ہوں اور جب ہم نے پوچھا کہ آپ کس مقام پر ہیں تو انھوں نے بتایا کہ میں جدہ اپنے دفتر میں ہوں، اس وقت ایک بجا ہے، میں تین بجے یہاں سے فارغ ہو کر عصر کی نماز کے بعد آپ کی طرف آ رہا ہوں، آپ تیار رہیے گا، دو تین روز ہمیں میز بانی کا موقع دیں اور ہمارا یہ حال کہ ان کی ہر بات کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ آپ سے فون پر بات ہوگئی یہی بہت ہے، آپ اتنی دور سے آنے کی زحمت نہ کریں، اب ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے، یہ جو ایک آدھ دن ہے وہ ہم کعبۃ اللہ کے قریب رہ کر گزارنا چاہتے ہیں۔

ہم مستقل انھیں روک رہے ہیں اور وہ ایک ہی بات کہے جا رہے ہیں۔ اپنا پتا سمجھائیں میں عصر کے بعد آ رہا ہوں اور پھر مغرب سے ذرا پہلے شاہد نماز کے لیے نکلے، میں گھر پر ہی رہی کہ ناصر بھائی آ گئے تو پریشان ہوں گے، چند ہی منٹوں کے بعد دیکھا کہ شاہد آ گئے، کہنے لگے ''ناصر آ گئے ہیں شرطے گاڑی پارک کرنے نہیں دے رہے، جلدی سے اٹھو، وہ ہمیں جدہ لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ ہم انھیں کہیں گے کہ ہم مکہ کے کئی اہم مقامات کی زیارتیں نہیں کر سکے، وہ ہمیں کرا دیں یہ بہت بڑی نیکی ہوگی۔''

ہم تیزی سے باہر آئے، نہایت شاندار گاڑی میں ناصر بھائی ہمارے منتظر تھے اور ہم کہہ رہے تھے ''جدہ جانا ہمارے لیے ممکن نہیں آپ ہمیں مکہ ہی دکھا دیں'' ...... وغیرہ۔ انھوں نے تمام باتیں بڑے اطمینان سے سنیں مگر گاڑی کا رخ جدہ کی طرف ہی رکھا، ابھی مکہ

سے باہر نہ نکلے تھے کہ مغرب کی اذان ہوگئی۔

سعودیہ کی جہاں کئی اور باتیں قابل تقلید ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہاں ہر مسجد میں عورتوں کے لیے نماز کی الگ جگہ ضرور موجود ہوتی ہے، یہاں سوائے فیصل مسجد یا چند ایک بڑی مساجد کے کہیں ایسا انتظام نہیں۔حتیٰ کہ بادشاہی مسجد میں بھی عورتوں کی نماز کے لیے کوئی جگہ مخصوص نہیں، پاکستان میں شاید اس لیے ایسا انتظام نہیں کیا گیا کہ اگر عورتیں بھی مساجد میں نماز ادا کرنے لگیں تو وہ کتنی مشکلات میں گرفتار ہوجائیں گی ...... یہ سوٹ تو میں فجر میں پہن کر گئی تھی، اب کیا ظہر میں بھی یہی پہنوں، اس سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ ابھی تک نہیں آیا، اب کیا کروں......؟

مغرب کی نماز کے بعد دوبارہ سفر شروع کیا، جلد ہی حدودحرم کی نشان دہی کرنے والا رحل نما پل دکھائی دینے لگا، روشنیوں میں نہایا ہوا خوب صورت پل دیکھتے ہوئے میں نے سوچا، اچھا ہوا ناصر بھائی ہمیں لے آئے ورنہ ہم اتنے دلکش منظر سے محروم رہتے۔ سرزمین عرب دیکھتے ہم جدہ کے قریب آتے جا رہے تھے۔

جدہ ایک انتہائی ترقی یافتہ جدید ترین سہولتوں سے آراستہ شہر، جس کا پہلا تعارف یہاں کی خوبصورت سڑکیں، میلوں لمبے کئی منزلہ فلائی اوور جہاں سے گیارہ گیارہ سڑکیں اوپر تلے مختلف مقامات کو کاٹتی ہیں، کیا مجال کہ ٹریفک کے بہاؤ میں ذرہ برابر بھی فرق آئے۔ ہمارے لیے فیض آباد کا فلائی اوور بڑی چیز تھا۔

جدہ شہر میں گاڑیوں کے شوروم دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔سعودیہ کے پہاڑ دیکھتے تو دانش یاد آجاتا اور اب شوروم دیکھتے ہوئے فارد بہت یاد آیا۔اس کی زندگی کا ہر خواب

گاڑیوں سے شروع ہوکر گاڑیوں پر ہی ختم ہوتا ہے۔اسے جب بولنا بھی صحیح طریقے سے نہ آیا تھا، اسے تمام گاڑیوں کے نام اور ماڈل یاد تھے۔ٹرین سے کراچی جاتے ہوئے اس کا واحد مشغلہ یہی تھا کہ وہ گزرنے والی ہر گاڑی کا نام ،ماڈل، قیمت ،اوریجنل کلر، پیغڈ، فور سپیڈ، فائیو سپیڈ،ٹربو اور نہ جانے کیا کیا بتاتا رہتا۔اب میں یہاں انواع واقسام کے نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے ماڈل دیکھتے ہوئے اسے یاد کر رہی ہوں۔

وہاں کی سڑکوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے بے رونقی کا احساس تو بالکل نہ ہوا،لیکن لوگ بھی چلتے پھرتے ،شاپنگ کرتے نظر نہ آئے۔نہایت خاموشی تھی، رات گہری ہوتی جارہی تھی ،شاید اس وجہ سے،لیکن راتیں بھی تو روشنیوں کے اس شہر میں جاگتی ہوں گی، لیکن مجھے شہر کا مخصوص شور ہنگامہ کہیں محسوس نہ ہوا۔

جدہ شہر کو قابل دید بنانے میں وہاں کے مئیر یا منتظم کا بڑا دخل ہے، ہر چوک پر نصب مانومنٹس جدہ شہر کے باسیوں کی ذہنی خلاقی کا واضح ثبوت ہیں، ایک چوراہے پر ایک نازک سی بائیسکل نصب ہے جو غالباً تیرہ چودہ منزلہ عمارت جتنی بلند ہے، کتنی ہی شدید آندھی چلے، کیسا ہی طوفان کیوں نہ اٹھے اس کے پائے استقلال میں جنبش نہیں ہوتی۔ایک چوک پر بحری بیڑہ نصب ہے۔کسی چوک کو ہماری سوہنی سے گھڑے مستعار لے کر انھیں مختلف رنگوں اور روشنیوں سے مزین کر کے شہر کے حسن میں اضافہ کیا گیا ہے۔ایک مقام پر ایک دیوار میں دھنسی ہوئی گاڑیوں کو دکھایا گیا ہے۔ایک چوک پر ناکارہ پائپ کے ٹکڑوں کو ترتیب دے کر تجریدی آرٹ کا نمونہ بنایا گیا ہے۔ناصر بھائی ہمیں بحیرہ احمر کی جانب لے گئے، وہاں ایسے ایسے تجریدی آرٹ کے شہہ پارے تھے کہ ہر ایک دامن دل اپنی جانب کھینچتا تھا لیکن

وقت کی کمی کے پیشِ نظر ہم دامن بچا کر گزرتے رہے۔گاڑی دھیمی رفتار سے رواں تھی، بحیرہ احمر کے مست پانیوں میں گھری ایک انتہائی خوب صورت مسجد جورات کے وقت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی اور جس کا جھلملاتا عکس پانی کی مضطرب لہروں میں ہلکورے لیتا تھا۔ ہرقدم پر میرے منہ سے یہی جملہ نکلتا تھا۔''ہمارا جدہ دیکھنا دراصل اللہ کی طرف سے حج کا انعام ہے۔''

مکہ اور مدینہ مذہبی جذبہ واحساس میں ڈوبے ہوئے شہر ہیں۔ان کا تقدس انسان کو اپنے سحر میں گرفتار رکھتا ہے، لیکن جدہ، دورجدید کے انتہائی ترقی یافتہ شہر کی حیثیت سے آپ کو اپنے حسن میں اسیر کر لیتا ہے۔جدہ کا شبینہ حسن اپنے عروج پر تھا،سمندر کی نم آلود ہوا کے جھونکے ہمارے تھکے ہوئے اعصاب کوسکون بخش رہے تھے۔

سمندر کے درمیان پانی اچھالتا فوارہ میلوں دور سے ایک دلکش منظر پیش کرر ہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس فوارے کا چلنا شاہی محلات میں شاہ فہد کی موجودگی کی علامت بھی ہے۔ اگر کوئی انسان یا کشتی اس کے قریب سے گزرنے کی غلطی کر بیٹھے تو یہ اسے بیس تیس فٹ اونچا اچھال دیتا ہے۔

پہاڑوں کی طرح پانی ہماری خاندانی کمزوری ہےسمندر اتنا قریب ہواور ہم اسے چھونہ سکیں یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ناصر بھائی نے پھر گاڑی میں بیٹھنے کے لیے کہا کہ اب میں آپ کو ذرآ گے لیے چلتا ہوں وہاں سے آپ پانی میں جاسکیں گی۔اب کے جو ہم رکے تو پانی کے اندر دور تک کنکریٹ کے بنے راستوں پر چلتے گئے چند ایک آدمی وقت گزارتے، یعنی مچھلیاں پکڑتے بھی نظر آئے، پانی انتہائی شفاف تھا۔ریت کے ذرے چمکتے

دکھائی دے رہے تھے، پانی کو تبرکاً چھوا کہ وقت پانی کے اندر جانے کی اجازت نہ دے رہا تھا۔ دانش سرمد اور شاہد بہترین تیراک ہیں اور ایسے شفاف پانی کو دیکھ کر ضبط کر لینا واقعی ضبطِ نفس کا کڑا امتحان تھا۔

ناصر بھائی جدہ کا ایک ایک کونہ دکھانا چاہتے تھے اور ہم انھیں کہہ رہے تھے ''آپ ہماری خاطر مسلسل سات گھنٹوں سے ڈرائیو کر رہے ہیں اب بس کریں اور گھر چلیں''

لیکن ان کا کہنا تھا ''اب میں آپ کو ایسا شاپنگ پلازہ دکھاؤں گا کہ جہاں عقل دنگ رہ جاتی ہے۔''

میں سفر کر کے اتنا تھک چکی تھی کہ مجھ میں کسی بھی منظر کے دیکھنے کی قوت موجود نہ تھی۔ بڑی مشکل سے انھیں گھر چلنے پر آمادہ کیا حالانکہ جانتی تھی کہ پھر ایسا موقع شاید نہ ملے۔لیکن میری حالت ایسی ہو رہی تھی کہ بس اب مجھے صرف ایک بستر کی طلب تھی۔

گھر کے راستے میں میں نے شاہد سے کہا ''قاضی صاحب کا فون نمبر ہمارے پاس ہوتا تو ان سے بھی رابطہ ہو جاتا۔''

ناصر بھائی پوچھنے لگے ''کون قاضی صاحب؟''

جب انھیں بتایا قاضی آفتاب صاحب، جو ہمارے قریبی عزیز ہیں، تو انھوں نے قاضی صاحب کا نہ صرف مکمل تعارف مع بیوی بچوں کے ہمارے سامنے پیش کر دیا، بلکہ موبائیل پر ان سے بات بھی کروادی، اب قاضی صاحب بضد کہ میرے مہمان آپ کے پاس کیا کر رہے ہیں میں ابھی انھیں لینے کے لیے آ رہا ہوں بڑی مشکل سے انھیں راضی کیا کہ مہمان بے شک ہم آپ کے ہی ہیں لیکن میزبانی کے فرائض آپ ہی کے مہربان انجام

دے رہے ہیں ۔پتہ چلا کہ جدہ میں پاکستانی کمیونٹی بہت مربوط ہے ۔

میں نے راستے میں ہی ناصر بھائی کو کہہ دیا تھا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں، مجھے کھانے کے لیے مجبور نہ کیا جائے ، میں صرف سونا چاہتی ہوں ۔راستے میں انھوں نے ایک پاکستانی ہوٹل سے کچھ کھانے کا سامان خریدا۔تھوڑا اورآگے گئے تو انھوں نے ایک خوصورت سی مارکیٹ کے سامنے گاڑی روکی، اب کے میں اورشاہد بھی اسے دیکھنے کے شوق میں اندر چلے گئے، مارکیٹ تو چھوٹی سی تھی، پر کون سی نعمت ہوگی جو وہاں موجود نہیں ۔چاکلیٹ، مٹھائیاں، کھجوریں، ہرموسم کے پھل اورسبزیاں اور باورچی خانے سے متعلق ہر چیز موجود،سب سے بڑی یہ بات کہ اگر آپ کو دو کھیروں، تین ٹماٹروں، دومولیوں، سلاد کے چند پتوں، آٹھ کیلوں، پانچ مالٹوں، اور پندرہ آلو بخاروں کی ضرورت ہے،تو آپ اپنی مرضی سے یہ تمام چیزیں ایک شاپر میں ڈالتے جائیں کوئی آپ کا ہاتھ نہیں پکڑے گا، یہاں آپ میں جرات نہیں کہ آپ سبزی والے کے ترازو میں اپنی پسند کی کوئی سبزی یا پھل ڈال جائیں اوراگرآپ کو ایک دوشملہ مرچوں اورتین گاجروں کی ضرورت ہےتو آپ مروتاً ایک ایک کلو چیز لینے پر مجبور ہیں کیونکہ آپ سبزی والے کی قہر آلود نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتے ۔یہاں ہم نے اپنی پسند کی چیزیں اپنی ضرورت کے مطابق لیں اورکاؤنٹر پر موجود صاحب کے حوالے کردیں۔انھوں نے ہر چیز تولی اورلکھی ہوئی قیمت کے مطابق بل بنایا اور ہمارے حوالے کیں ۔

ایک مرتبہ مکہ میں اسی دکان سے جہاں سے ہم روز ایک کلو پھل لیا کرتے تھے وہاں انگور اچھے لگے شاہد نے ایک گچھا اٹھایا کہ اسے تول دو،لیکن اس دوکاندار نے ایک دم

وہ ہاتھ سے لے لیا اور کہا ''نہیں یہ بیچنے کے لیے نہیں ہے۔''

شاہد نے کہا ''مجھے تو یہ ٹھیک لگ رہا ہے اس لیے مجھے دے دو۔''

لیکن وہ نہ مانا پتہ چلا کہ وہاں کا قانون ہے کہ جو پھل یا سبزی آپ بیچ رہے ہوں اس کا کرٹن آپ کے پاس ہونا ضروری ہے کہ جس پر معینہ مدت برائے استعمال درج ہو، اب چونکہ بقول اس دکاندار کے میرا وہ کرٹن کسی وجہ سے ضائع ہو چکا ہے، اس لیے میں یہ پھل نہیں بیچ سکتا۔

یہ سب کچھ دیکھ کر جی چاہا کہ ہمارے گلی محلے میں بھی ایسی دکانیں اور مارکیٹیں ہوں۔پھر احساس ہوا، انسان ناشکرا ہے، وہ یہ نہیں دیکھتا کہ جس قیمت میں وہاں سے آپ ایک روز کے لیے سبزی پھل خرید رہے ہیں، اپنے ملک میں ہفتے بھر کے لیے لے سکتے ہیں، خیر معاشی صورت حال اور طلب و رسد پر سوچنے کی بالکل ہمت نہ تھی۔

ثمرین بھابھی کو موبائیل پر اطلاع کرتے رہے تھے کہ ہم اب کہاں ہیں اور اب گھر پہنچنے والے ہیں۔وہ مغرب کے وقت سے کھانا تیار کر کے انتظار میں تھیں لیکن انھیں بھی اندازہ تھا نئے شہر کے دیدار میں کچھ وقت تو لگتا ہی ہے۔مل کر بہت خوش ہوئیں۔انھوں نے کھانا لگانا شروع کیا، میں نے کہا ''آپ لوگ کھائیں، میں راستے بھر ناصر بھائی سے کہتی آئی ہوں کہ اللہ کے واسطے مجھے کچھ کھانے کے لیے نہ کہیں مجھے صرف سونے کے لیے بستر چاہیے۔''

ثمرین بھابھی حاجیوں کی حالت سے اچھی طرح واقف تھیں، کہنے لگیں ''مجھے معلوم ہے حاجی مہینے بھر کے تھکے ہوتے ہیں انھیں کھانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی وہ صرف

آرام کرنا چاہتے ہیں۔''

میں مہینہ بھر کی تو نہیں لیکن آج کے آرام دہ سفر سے نہ جانے کیوں بے آرام ہوئی تھی، سر کیوں چکرانے لگا تھا۔ اب میں ٹی وی کے سامنے لیٹی تھی سب کھانا کھا رہے تھے، ثمرین بھابھی نے میرے لیے پلیٹ بنا دی تھی کہ جب رات کو بھوک محسوس ہو تو کھا لوں، میں آہستہ آہستہ سلاد کھا رہی تھی۔

اتنے دنوں بعد ٹی۔وی دیکھنا عجیب سا لگ رہا تھا، خبریں شروع ہوئیں، پاکستانی چینل لگا ہوا تھا، خبریں آ رہی تھیں، میں نے کہا۔

''پہلے ہمارا چینل شریف نامہ ہوا کرتا تھا اب مشرف نامہ ہو کر رہ گیا ہے۔''

ثمرین بھابھی نے برجستہ کہا۔''یہاں بھی شاہ نامہ چلا کرتا ہے۔ اکثر شاہ کی تصویر ہی گھنٹوں ٹی وی پر آتی رہتی ہے۔''

ناصر بھائی اور ثمرین بھابھی کا اصرار تھا کہ ہم کم از کم ایک روز تو ان کے پاس رہیں اور میں کہہ رہی تھی ''آپ نے اتنا کر لیا ہے ہمارے لیے یہی بہت ہے، آپ تھک نہیں جاتے اتنی مہمان داری کرتے ہوئے۔''

ناصر بھائی نے کہا ''اتنی مشکل سے تو اس سال یہ دو حاجی پھنسے ہیں، ورنہ تو ہر سال تیس تیس حاجیوں کی خدمت کا موقع ملتا تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ ہم تھک نہیں جاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اگر حاجیوں کو ذرا سا آرام و سکون پہنچانے کا باعث بنتے ہیں اور وہ جواب میں ہمیں ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے ہیں تو ہماری تھکن لمحہ بھر میں غائب ہو جاتی ہے اور ان کی دعاؤں کی برکت سے اللہ ہمیں اور نوازتا ہے۔''

رات سکون سے سوئے ۔صبح ہمارا اصرار تھا کہ اب ہمیں اجازت دی جائے اور ناصر بھائی کا ارادہ تھا کہ میں دفتری کام نبٹا کر جلدی سے آ جاتا ہوں پھر آپ کو جدہ کی سیر کراؤں گا، خیر ہماری مجبوری سمجھ گئے ۔ دفتر فون کر دیا اور ثمرین بھابھی نے ناشتہ تیار کیا اور دوپہر کا کھانا ساتھ پیک کر دیا ۔ بچے ہمارے جاگنے سے پہلے سکول جا چکے تھے ۔

دونوں میاں بیوی ہمیں چھوڑنے کے لیے اپنے سارے کام چھوڑ کر روانہ ہوئے ، اب بھی ان کا بس نہ چلتا تھا کہ ہمیں شہر کا کونہ کونہ دکھالیں، دیکھنا تو ہماری بھی خواہش تھی ، لیکن وقت کے محدود ہونے کا احساس غالب تھا۔صرف ایک دن ہمارے پاس تھا اور ہم ایک ایک لمحہ درکعبہ پر گزارنا چاہتے تھے ۔

ناصر بھائی ہمیں پھر سمندر پر لے گئے ’’آپ کل رات پوچھ رہی تھیں کہ پانی کا رنگ کیسا ہے؟ اب دیکھ لیں ۔‘‘

نیلے شفاف پانی کو دیکھ کر اپنے کلفٹن ،منوڑہ اور ہاکس بے یاد آئے جہاں کے پانی کو ہم پکنک کے شوقین لوگوں نے شاپر، کاغذ چھلکے اور نہ جانے کیا کیا پھینک کر غلیظ کر دیا ہے ۔ پھر کائی اور سمندری جھاڑیاں اور مختلف فیکٹریوں کا ناکارہ مواد پانی کو آلودہ کر رہا ہے ۔

وہاں سے ائرپورٹ لے گئے کہ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں کل آپ کو آنا ہے کتنا وسیع وعریض ائرپورٹ ہے ۔جہاں تمام ممالک کے لاکھوں حاجیوں کی آمدورفت کا بندوبست ہو وہ کتنا عظیم الشان ہوگا۔ اس کے بعد ہمیں وہ اس مقام پر لے گئے کہ جہاں منشیات کے مجرموں کے سر، سرعام قلم کیے جاتے ہیں،خوبصورت سفید سنگ مرمر سے بنی مسجدِ جفالی کے ساتھ ہی ایک چبوترہ سا بنا ہے ۔ناصر بھائی راستے میں بتا رہے تھے، پہلے صرف نماز جمعہ کے

بعد سر قلم کیے جاتے تھے، اب کسی بھی روز یہ کام ہوسکتا ہے۔ میں سوچنے لگی ہم آج جا رہے ہیں کیا پتا آج ہی ...... فوراً توبہ استغفار کی اور بنی نوع انسان اور امت مسلمہ کی سلامتی اور ہدایت کے لیے دعا کی۔

وہ بتا رہے تھے کہ جب مجرم یہاں لایا جاتا ہے تو وہ موت کی دہشت سے پہلے ہی ادھ موا ہو چکا ہوتا ہے یا اسے اتنے انجکشن دیے جاتے ہیں کہ وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہوتا۔ اسے تھام کر لایا جاتا ہے۔ جب بٹھایا جاتا ہے تو اس کا سر عالم بے ہوشی میں زمین کی طرف جھکتا چلا جاتا ہے۔ ایسے میں ایک تیز دھار تلوار کی نوک اس کی ریڑھ کی ہڈی میں چبھوئی جاتی ہے۔ مجرم ایک جھٹکے سے سر اٹھاتا ہے اور جلاد اس ایک لمحے میں اپنا کام مکمل اور مجرم کا کام تمام کر دیتا ہے۔

یہاں ڈاکٹر اور ایمبولنس موجود ہوتی ہیں تا کہ کمزور دل افراد کو فوراً طبی امداد دی جا سکے۔ منشیات یا دیگر سنگین جرائم میں ملوث خواتین کے لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا سر قلم نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کے ماتھے پر گولی مار دی جاتی ہے۔ ان کے پیچھے ریت سے بھری ہوئی بوریاں رکھی جاتی ہیں۔

وہاں سے آگے بڑھے تو ایک چاردیواری سی دکھائی کہ یہاں اماں حوا کی قبر ہے۔ بھابھی ثمرین ہمیں شاپنگ پلازہ دکھانا چاہتی تھیں لیکن وقت کی کمی آڑے آئی۔ اب ہم سیدھے مکہ پہنچ کر دم لینا چاہتے تھے۔ ہمیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ ناصر بھائی کو دفتر پہنچنا ہے، ناصر بھائی اور ثمرین بھابھی کی بے مثال میزبانی کا شکریہ ادا کیا۔

ہم ظہر سے پہلے پہلے مکہ پہنچ گئے۔ قیام گاہ پہنچ کر سامان سمیٹنا شروع کیا کہ اب کسی

بھی وقت کل کی روانگی کا وقت مل سکتا ہے، خانہ ءکعبہ گئے تو عشا کے بعد واپسی ہوئی۔ ہمیں ابھی آب زم زم بھرنا تھا ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ سعودی ائر لائنز والے ہر حاجی کو دس لٹر آب زم زم کا تحفہ دیں گے، اس لیے پانی لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ شاہد آب زم زم کے سوا کچھ اور لے جانے میں دلچسپی ہی نہ رکھتے تھے، پھر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ہمارے وہی ساتھی آب زم زم بھر کر لا رہے ہیں۔ شاہد بیس بیس لٹر کے تین کین خریدنا چاہتے تھے۔ انھیں بڑی مشکل سے آمادہ کیا کہ ہر ایک کہہ رہا ہے کہ بیس لٹر والے کین ہوائی جہاز میں رکھنے نہیں دیے جائیں گے، دس لٹر والے ہی خریدیں، شاہد تین کین لے آئے۔

رات گئے ہم دوبارہ گئے کہ کعبۃ اللہ سے الوداعی ملاقات بھی کر لی جائے اور آب زمزم بھی بھر لیا جائے، کعبہ کی وہی رونق اور دل کی اداسی اور احساس تنہائی بڑھتا ہی جاتا تھا۔ ایک دعا جو سب دعاؤں پر غالب رہی کہ اے ہمارے رب ہمیں توفیق بخش کہ ہم دوبارہ تیرے در پر آئیں پھر اپنی اور امت مسلمہ کے لیے جتنی دعائیں کی جا سکتی تھیں، کرتے رہے۔ مناسک حج کی تکمیل کے بعد سے جتنے بھی طواف کیے الوداعی طواف کی نیت سے کیے۔ لیکن آج کچھ اور ہی بات تھی۔ دل گداز کیوں کر ہوتا ہے، عزیز از جاں فرد ہو یا مقام، اس سے جدائی کا صدمہ کتنا کڑا ہوتا ہے، اللہ اپنے مجبور اور بے بس اور عصیاں میں گھرے بندوں کو کس طرح اپنے در پر بلا کر ان کی بخشش کا سامان کرتا ہے اور کس طرح وہ خود اپنی نگاہوں میں سرخرو ہوتے ہیں، ساری کیفیات مدغم ہو رہی تھیں اور ان سب پر حاوی بیت اللہ کی دلکشی و رعنائی۔

نہ جانے کیوں مجھے کعبۃ اللہ کا حسن رات کے وقت انتہائی فریفتہ کر دینے والا

معلوم ہوتا اورآج تو وداع کی رات تھی ، جو تیزی سے گزرتی جارہی تھی اور ہر گزرتا لمحہ کہتا تھا اپنے رب سے جو کچھ کہنا ہے کہہ لو پھر نہ جانے ......اور پھر دل سے فوراً ہی دعا نکلتی کہ اللہ وہ وقت جلد پھر لائے کہ ہم اس در پر حاضری دیں۔

شاہد نے تینوں کین پانی سے بھرے اور ہم الوداعی سلام کرتے ہوئے رخصت ہوئے ، بڑی چھوٹی کئی بوتلیں شاہد پہلے ہی بھر چکے تھے ۔کین ٹرالی پر رکھے اور قیام گاہ پر آ گئے دوسرے روز ہمیں عصر کے بعد جدہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔

اب ہمیں سامان باندھنا تھا، شاہد گتے کے دو مضبوط بڑے بڑے ڈبے لے آئے تھے ۔ہم نے عزیزوں کے لیے جو تحائف لیے تھے، وہ ان ڈبوں میں پیک کیے پھر مدینہ کے سوق الحرام سے پچیس تیس کلو کھجوریں لی تھیں کس طرح خریدی تھیں، یہ الگ داستان ہے، یہ ضرور کہوں گی کہ اس بازار کے دکان داروں نے بھی شکر کیا ہوگا کہ ان کا یہ کام پورا ہوا۔میرا خیال ہے کہ یہ بتاتی ہی چلوں کہ ہمارے گروپ کے یہ تین حاجی کھجوریں خرید کر پیک کروا کے لائے تھے،گھر آ کر نہ جانے کس خیال کے تحت پیکنگ کھولی گئی کھجوریں کھول کر دیکھیں تو وہ کیڑوں سے بھری ہوئی تھیں ۔حرم کے زیر سایہ بھی کرنے والے جو کرنا چاہتے ہیں کرگزر تے ہیں،تو اب شاہد چھاچھ بھی پھونک کر پی رہے تھے ۔وہ کھجوریں واپس ہوئیں اور نئی خریدی گئیں اور اس خریداری میں، میں بھی ان کے ہمراہ تھی ان کی ، اپنی اور دکان داروں کی قوت برداشت دیکھ رہی تھی ۔بہر حال وہ کھجوریں بھی پیک کی گئیں ۔

شاہد کا خیال تھا کہ سب کچھ پاکستان میں مل جاتا ہے ۔سوائے آب زمزم کے، اس لیے صرف آب زمزم ہی لے جانا چاہیے۔آب زم زم سے متعلق ان کی طلب دیکھ کر

میں اکثر کہا کرتی تھی کہ ان کا بس چلتا تو وہ کنواں ہی لے آتے ،لیکن کچھ نہ کچھ تو لے جانا ضروری تھا۔وہ سب تبرکات وتحائف ان ڈبوں میں بند کیے۔شاہد نے اپنے بیگ میں سے کپڑے نکال کر وہ بھی انھی ڈبوں میں پیک کر دیے اور اپنے خالی بیگ میں زمزم سے بھری چھوٹی بڑی بوتلیں رکھ لیں۔

عصر کے وقت ارادہ کیا کہ جتنی دیر میں بسیں آتی ہیں،تیزی سے ایک مرتبہ پھر زیارت کر آتے ہیں۔ایک طواف کا اور موقع مل گیا۔واپس آئے تو بسیں تیار کھڑی تھیں۔ چلتے چلتے مغرب ہوگئی۔ذرا آگے گئے تو بسیں معلم کے دفتر پر جا کھڑی ہوئیں،اور گھنٹہ بھر کھڑی ہی رہیں،نہ جانے اب کون سی کاروائیاں ہورہی تھیں۔

سامنے ایک خوب صورت باغ تھا اندر اس لیے نہ گئے کہ نہ جانے کب اذنِ سفر ہو جائے،دوسرے یہ کہ باغ میں داخلے کے لیے بچوں کی موجودگی ضروری تھی،تیسرے یہ کہ باغ میں داخلے کا ٹکٹ پانچ ریال تھا۔خدا خدا کر کے بسیں روانہ ہوئیں۔مختلف مقامات پر پڑتال کے مراحل طے کرتے نصف شب کو جدہ پہنچے۔

راستے میں معلم کی جانب سے جوس،کیک اورآبِ زمزم کی ایک ایک بوتل اور ملی جوفوراً ہی شاہد کے بیگ میں منتقل ہوگئی۔جدہ ہوائی مستقر پر سامان کے وزن کے لیے وہاں ملازم ایک بنگلہ دیشی بھائی آموجود ہوئے۔انھوں نے ہمارے سامان کا وزن کیا اور لمحوں میں ہمیں اس کام سے فارغ کر دیا لیکن یہ ضرور ہوا کہ شاہد نے جس توقع پر ان سے مدد لی تھی وہ پوری نہ ہوئی،آبِ زمزم کا تیسرا کین افسرانِ بالا نے نہایت بے دردی سے نکال باہر کیا، جسے شاہد نے لپک کر گود لے لیا اب نہ وہ چاہتے ہیں کہ زمزم سے بھرا کین یہاں بے یارومدد

گار چھوڑا جائے نہ میرا دل مانتا ہے کہ اسے یہیں چھوڑ دیں۔

شاہد نے کہا۔ ''میں اسے دستی سامان کے ساتھ لے جاؤں گا۔''

ہم نے سارا سامان تو بجھوا دیا تھا۔ اب میرے پاس ایک چھوٹا بیگ، شاہد کے کاندھے پر ایک بڑا بیگ اور ہاتھ میں کین۔ کہنے لگے ''جب مجھے سکریننگ کے مراحل سے گزرنا ہوگا تو ڈیوٹی پر موجود بندہ تو چکرا ہی جائے گا، کہ یہ کیسا شخص ہے کہ جس کے بیگ میں سوائے زمزم کی آٹھ دس بوتلوں کے اور کچھ نہیں اور جس کے ہاتھ میں بھی زمزم کے علاوہ کچھ نہیں۔''

میں نے کہا ''اس چیز کو بیان کرنے والی مشین ایجاد نہیں ہوئی ورنہ وہ یہ بھی دکھا دیتی کہ اس شخص نے چالیس دنوں میں زمزم کے کتنے لٹر اپنے اندر انڈیلے ہیں۔''

سامان جمع کرانے سے تو جلد ہی فراغت مل گئی لیکن لاؤنج میں داخلے کے لیے طویل انتظار کرنا پڑا، انتظار ختم ہوا کاغذی کارروائی کے بعد لاؤنج میں پہنچے، سوڈان جانے والے مسافروں کو انتظار کھینچتے پایا، معلوم ہوا کہ ان کا جہاز تین گھنٹے نہیں بلکہ تین دن نامعلوم وجوہ کی بنا پر لیٹ ہے۔ یقین تو نہ آیا لیکن مسافروں کی حالتِ زار اس داستان کے حقیقی ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔ ایک صاحب پر دورہ پڑتا تھا تو وہ سعودیہ ائر لائنز کے کارکنوں کو کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان کی فلائٹ آنے والی ہے جب یہ لوگ رخصت ہوں گے تب ہم اندر جا کر بیٹھ سکیں گے۔

بلا مبالغہ وہاں ڈھائی تین گھنٹے کھڑے رہے۔ ان کی فلائٹ آئی، وہ گئے پھر ہمیں اندر انتظار گاہ میں جانے کی اجازت ملی، جہاں پتھر کے صوفے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ اندر

جا کر بھی کاغذات کی جانچ پڑتال کے مراحل سے گزرے، اتنے میں فجر کا وقت ہوگیا، وہیں نماز پڑھی گئی، ساڑھے سات بجے جہاز کی آمد کا اعلان ہوا۔ ایک ایک نہایت خوب صورت قرآن پاک کا نسخہ جیسا ہم حرم پاک میں پڑھتے تھے، تین دینی مسائل سے متعلق کتابچے اور ایک ایک آڈیو کیسٹ، یہ تحائف سعودی حکومت کی جانب سے ہر حاجی کو دیے گئے۔

جہاز تک جانے کے لیے بس میں بیٹھے۔شاہد ہجوم میں پیچھے رہ گئے تھے۔اتنے میں بس چل دی، میں نے سوچا کہ دوسری بس سے آجائیں گے۔ میں جہاز میں کوئی آرام دہ سیٹ لینا چاہتی تھی۔سعودی ائر لائنز میں سیٹوں کے نمبر نہیں ہوتے، جہاں جگہ ملے بیٹھ سکتے ہیں۔ میں اوپر پہنچی فرسٹ کلاس کی پہلی سیٹ پر بیٹھی کہ ذرا کھلی جگہ ہو تو سفر آسانی سے کٹ جائے گا۔دوسری سیٹ پر میں نے اپنا بیگ رکھا، جب بھی کوئی مسافر سیٹ کی تلاش میں آتا، اسے میرے ساتھ کی سیٹ کے علاوہ کوئی اور جگہ نظر ہی نہیں آتی۔ائر ہوسٹس بھی کہنے لگی ''وہ کہیں اور بیٹھ چکے ہوں گے اب نہیں آتے۔''

میں نے کہا ''بیس سال سے تو وہ گھر کا راستہ نہیں بھولے میں کیسے مان لوں آج وہ نہیں آئیں گے۔''

ذرا ہی دیر میں شاہد آ گئے کہ میں دوسری طرف تمہاری سیٹ روکے بیٹھا تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ تم یہاں بیٹھی ہو تو میں یہاں آ گیا۔ ان کے ہاتھ میں آب زمزم کا کین تھا کہنے لگے ''اپنا بیگ تو میں وہاں اوپر شیلف میں رکھ چکا تھا وہ میں نہیں لایا واپسی پر لے لیں گے۔''

ائر ہوسٹس ناشتہ لانے میں مصروف ہوئی۔ہماری خوش نصیبی کہ ہمارا یہ سفر کرنل محمد خان کے اس سفری تجربے سے قطعی مختلف تھا کہ ان کی ائر ہوسٹس کا سفر کے اختتام پر ہوا میں

تیرنا یہ جملہ، جملہ مسافر ان کے لیے نا قابل قبول تھا ''امید ہے کہ آپ کا سفر خوش گوار گزرا ہوگا۔''

ایسے بانجھ سفر کو خوش گوار کہنے پر کسی دل جلے نے ائر ہوسٹس کو ڈائن کہہ دیا تھا، اس پر ایک پولیس افسر برداشت نہ کر سکے اور رعب و دبدبہ سے لبریز آواز میں بولے'' ائر ہوسٹس کو ڈائن کس نے کہا؟''

پیچھے سے اتنی ہی بارعب آواز میں استفہامیہ جواب آیا'' ڈائن کو ائر ہوسٹس کس نے کہا؟''

ہمارا سفر جنت نگاہ وفردوس گوش تھا کہ وہاں موجود تمام فضائی میزبانیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں اور وہ جو ہم سے قریب تھیں اور جن کا اسم سعید، سعدیہ ان کے سینے پر جگمگا تا تھا، فراز کی غزل ......'' سنا ہے'' ...... کی مکمل تفسیر وتشریح تھیں۔ ناشتے میں وہ سب کچھ تھا جو ایک پر تکلف ناشتے کا لازمی حصہ ہے، لیکن میں اپنی طبیعت سے ڈری ہوئی تھی کہ طبع نازک پہ کچھ گراں گزرا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ چنانچہ کچھ نہ کھایا پیا بلکہ سانس بھی آہستہ لینے کی کوشش کی کہ اس وقت میں اپنی طبیعت کی خرابی کی متحمل نہ ہوسکتی تھی۔

آتے ہوئے جہاز کے سفر کے دوران میں میری طبیعت بالکل خراب نہیں ہوئی تھی، لیکن مدینہ سے واپسی اور پھر ایک روز پہلے کے جدہ کے سفر میں گھبراہٹ ہوئی تھی۔ میں محتاط تھی کہ کسی بیزاری سے محفوظ رہوں۔ میں دیکھ رہی تھی کہ لوگ بڑے مزے سے سب کچھ کھا پی رہے تھے۔ میں نے سوتے جاگتے سفر کاٹا۔ اللہ اللہ کر کے اسلام آباد پہنچنے کی نوید سنی۔ ہمارے جہاز نے سرزمین پاک کو چھوا۔

شاہد کہنے لگے ’’میں جا کر اپنا بیگ جو پیچھے شیلف میں ہے، وہ لے آتا ہوں تم اپنا بیگ لے کر اتر جانا، یہ کین بھاری ہے واپسی پر میں خود اٹھالاؤں گا۔‘‘

شاہد یہ کہہ کر چلے گئے۔ میں نے اپنا مختصر سا بیگ اٹھایا، جی چاہا کین بھی اٹھالوں لیکن اٹھایا تو احساس ہوا کہ اتنا بھی ہلکا نہیں ہے، شاہد خود ہی اٹھالیں گے۔ ائر ہوسٹس جلدی اترنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں جہاز سے باہر آئی بس تیار تھی، اس میں دوسرے مسافروں کے ساتھ بیٹھ گئی کہ شاہد دوسری بس سے آجائیں گے۔ بس سے اتری محسوس ہوا ایک مدت تک خاکِ وطن سے دور رہی ہوں۔ پڑھا کرتے تھے کہ آزادی کے متوالوں نے جب سرزمین پاک پر قدم رکھا تو کس طرح سجدۂ شکر بجالائے تھے، کیسے خاکِ وطن کو بوسے دیے تھے۔ آج، اگر مجھے بھی گردوپیش کا احساس نہ ہوتا تو میں بھی یہی کچھ کرگزرتی۔

سامان آنا شروع ہوگیا اور شاہد ابھی نہیں پہنچے تھے۔ مجھے یہ پریشانی ہوئی کہ اگر ہمارا سامان آگیا، تو اتنے بھاری سامان کو میں اکیلی کیسے اٹھاؤں گی اور اس وقت جب سب کو اپنی اپنی پڑی ہے، میں کسی کو کیوں آزمائش میں ڈالوں۔

شاہد آتے دکھائی دیے۔ آتے ہی انھوں نے پوچھا ’’آبِ زمزم کا کین تم لے آئی تھیں۔‘‘

میں نے کہا ’’نہیں آپ کہہ رہے تھے کہ میں لے آؤں گا، اس لیے میں نے نہیں اٹھایا۔‘‘

کہنے لگے ’’میں سارا جہاز دیکھ آیا ہوں، مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔‘‘

مجھے احساس تھا شاہد کتنے شوق سے یہ پانی لے کر جارہے تھے، آبِ زمزم کے

متعلق کہا جا تا ہے کہ اسے پینا ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتا ، جسے توفیق ہوتی ہے ، وہی اسے پی سکتا ہے۔ مجھے یاد آیا کہ شاہد ایک وقت میں حرم پاک میں موجود سٹیل کے نونوگ بھر کر پی جاتے تھے جب کہ میں ایک بھی بمشکل پی سکتی تھی ۔ یہ کیا ہوگیا؟ یہ نہیں ہونا چاہیے تھا، مجھے بشریٰ رحمان یاد آئیں کہ ان کے ساتھ بھی برٹش ائرویز نے ایسا ہی ہاتھ کردیا تھا کہ جب وہ جہاز سے اترنے لگیں،تو سٹیورڈ سے اپنا بیگ مانگا اور جواب نفی میں ملا،تو وہ کیسے پریشان ہوئی تھیں کہ اس بیگ میں بچوں کے لیے تحفے تھے کچھ خواب تھے، کچھ خیال تھے اور اب کچھ نہ تھا، مجھے شاہد بھی ایسے ہی خالی ہاتھ لگے۔

میں نے کہا ''آپ یہیں ٹھہریں سامان پہنچنے والا ہوگا۔ میں سہیل آفتاب کا پتا کرتی ہوں۔''

آفس کی طرف جاتے ہوئے میں نے ایک باوردی شخص سے سہیل کا پوچھا معلوم ہوا کہ وہ موجود نہیں ہیں ،ان صاحب نے ویسے ہی پوچھ لیا کہ کیا کام تھا میں نے بتایا''آب زمزم کا کین غالباً جہاز میں ہی رہ گیا ہے۔''

انھوں نے مجھے قریب ہی کھڑے ایک صاحب سے رابطہ کرنے کو کہا۔ وہ موبائل پر ایک اور خاتون کے گم شدہ سامان کی تفصیل جہاز پر موجود عملے کو بتا رہے تھے، جب ان کی بات مکمل ہوئی تو میں نے اپنے آب زمزم کی گمشدگی کی داستان کہہ سنائی ۔ وہ خاتون جو اپنے گمشدہ سامان کی تفصیل سنا رہی تھیں، ایک دم بول اٹھیں۔

''اس کین پر کس کا نام تحریر ہے۔''

میں نے کہا''شاہد محمود''

وہ مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے انتہائی تیزی سے آگے بڑھیں اور دوسرے ہی لمحے ان کے ہاتھ میں ہمارا کین تھا۔ کہنے لگیں ہم جہاز سے اتر رہے تھے تو یہ کین کوئی بھول کر اتر آیا تھا۔ ہم لے آئے کہ کہیں جہاز اسے لے کر نہ چلا جائے، جس کسی نے پوچھا تو اسے دے دیں گے میں نے لپک کر کین اٹھایا اور ان کا شکریہ ادا کرتی ہوئی شاہد کی طرف آئی، ابھی سامان پہنچا نہ تھا شاہد آبِ زمزم کا کین دیکھ کر خوش بھی ہوئے اور حیران بھی اور پوچھنے لگے'' کیسے ملا، کہاں سے ملا''

میں نے کہا'' سوال جواب بعد میں، باہر سب لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔''

جو دستی سامان ہمارے ساتھ تھا وہ ٹرالی پر لادا اور چیکنگ کے بعد باہر نکل آئے۔ سب سے پہلے دانش نظر آیا، پھر فارد اور پھر سبھی نظر آنے لگے۔ اپنے اپنے حاجیوں کو لینے کے لیے آنے والوں کا ازدحام، اپنوں تک پہنچنے میں کسی قدر مشکل پیدا کر رہا تھا اور پھر اچانک انھی اجنبی لوگوں کے ایک گروہ نے مجھے پوچھا آپ حج کر کے آئی ہیں۔ میں نے اثبات میں جواب دیا، تو نہ جانے کتنی خواتین نے مجھے گلے لگایا اور اپنے پیاروں کے لیے لائے گئے گلاب میرے گلے میں ڈال دیے۔ نزہت، مسز عباس، حمید بھائی اور ماموں جی میرے فارغ ہونے کا انتظار کر رہے تھے شاہد بھی آچکے تھے، انھوں نے مجھے اور شاہد کو سرخ دہکتے مہکتے گلابوں سے لاد دیا۔

امر بیل کسی اور جسم وجاں کو اپنا مستقر بنانے جا چکی تھی۔

کتابیات

☆ افتخار احمد قادری حافظ، دیارِ حبیب۔ جون ۲۰۰۱ء

☆ بنت اسلام، ماہ صیام اور حج بیت اللہ۔

☆ ڈسکوی، جاوید جمال۔ میرے حضور کے دیس میں، لاہور، جنگ پبلیشرز، ۱۹۹۰

☆ خان ایچ بی۔ کراچی سے گنبد خضرا تک، کراچی، الحمد اکادمی، ۱۹۸۶

☆ شورش کاشمیری، شب جائے کہ من بودم، لاہور، مکتبہء چٹان، بار سوم، ۱۹۸۸

☆ طبری، علامہ جریر۔ تاریخ طبری، جلد اول، کراچی، نفیس اکیڈمی مارچ ۱۹۶۷ء

☆ معراج الاسلام، محمد۔ کعبۃ اللہ اور اس کا حج، لاہور، گنبد خضریٰ پبلی کیشنز۔ س ن

☆ معراج الاسلام، محمد۔ مسجد نبوی، لاہور مکتبہ نوری،

☆ مختلف کتابچے اور پاکستانی وسعودی اخبارات۔

BACK TITLE PAGE

عینی بی بی

میں بقول آپ کے بالکل بے خطوطا ہوں، خط نہیں لکھتا ,چنانچہ اب اگر لکھ رہا ہوں تو آپ کے ان چند اوراق سے متاثر ہو کر لکھ رہا ہوں جو آپ نے عطا کیے تھے۔ اس کا پہلا حصہ جس میں زمین آسمان اور بارش کا بیان ہے بہت پر اثر ہے اگر چہ عبارت گھنی ہے لیکن ایک لفظ بھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔

ملاقات بہت اثر انگیز رہی۔ اردو میں کتنے نقاد ہیں جو نثر کو پڑھتے ہیں اور ایک مصنف کو مکمل پڑھتے ہیں اور پھر بات کرتے ہیں مصنف کو ایسے لوگوں سے مل کر احساس ہو رہا ہے کہ زندگی رائگاں نہیں گئی۔

بچوں کو پیار، شاہد کو سلام۔

والسلام

مستنصر حسین تارڑ

۱۱ جنوری ۲۰۰۲ء

سفرِ حج کے موضوع پر لکھی گئی یہ کتاب نہایت دلچسپ، پر از معلومات اور ایمان پرور ہے۔ مصنفہ نے جذبۂ دل کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے۔ یہ تصنیف جہاں عام مسلمانوں کے لیے مفید ثابت ہوگی، وہاں سفرِ حج پر جانے والے افراد کے لیے بھی خاصی کارآمد رہے گی۔

ڈاکٹر محمود الرحمٰن
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
اسلام آباد
۱۰ ستمبر، ۲۰۰۲ء